www.mohaddis.com

308

مدیرِ اعلیٰ
حافظ عبدالرحمن مدنی

ملّتِ اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلّہ

محدث

مارچ ۲۰۰۷ء

- مسجدِ اقصیٰ؛ صہیونیوں کے نرغے میں!
- حفاظتِ حدیث میں صحابہ کرامؓ کا کردار
- اولاد کو تحفہ وغیرہ دینے کے اَحکام

مجلس التحقیق الاسلامی

مجلس التحقیق الاسلامی
ISLAMIC RESEARCH COUNCIL
PAKISTAN

ماہنامہ محدث لاہور

ماہنامہ 'محدث' لاہور کا اجمالی تعارُف

مُدیرِ اعلیٰ: حافظ عبدالرحمٰن مدنی **مُدیر:** ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

ماہنامہ 'محدث' لاہور، ہندوستان سے نکلنے والے ایک رسالے کی ہی ارتقائی شکل ہے۔ جامعہ رحمانیہ دہلی سے نکلنے والے رسالے - جس کا نام محدث تھا- کو پروان چڑھاتے ہوئے تقسیمِ ہند کے بعد دوبارہ ماہنامہ 'محدث' لاہور کے نام سے پاکستان میں معروف عالم دین ودانشور حافظ عبدالرحمٰن مدنی حفظہ اللہ نے اس کا اِجراء کیا۔ یہ تحقیقی رسالہ ۱۹۷۰ء سے اب تک کامیابی وکامرانی سے شائع ہورہا ہے، وللہ الحمد!

محدث کی علمی پہچان کے حوالے سے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ ہر صاحبِ علم وفضل کی ضرورت بن چکا ہے کیونکہ اس کے مضامین جدید فکر کے حامل اور ملحدانہ افکار کیلئے شمشیر بے نیام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

گھر بیٹھے 'محدث' وصول کیجئے!

قارئین کرام! گھر بیٹھے محدث حاصل کرنے کیلئے درج ذیل طریقہ کار اختیار کریں!

فی شمارہ: ۲۰روپے **زرِ سالانہ:** ۲۰۰روپے **بیرون ملک:** ۲۰ڈالر

بذریعہ منی آرڈر/بینک ڈرافٹ ۲۰۰روپے بھیج کر سال بھر گھر بیٹھے محدث وصول کریں اور علمی وتحقیقی مضامین سے استفادہ کریں۔ **ایڈریس:** ماہنامہ محدث، ۹۹جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور ۵۴۷۰۰

فون نمبر: 35866476 / 042 - 3586639 **موبائل:** 0305 - 4600861

انٹرنیٹ پر محدث پڑھنے اور ڈاؤن لوڈ کرنے کیلئے درج ذیل ویب سائٹ دیکھئے!

www.kitabosunnat.com __ www.mohaddis.com

مزید تفصیلات کیلئے: webmaster@kitabosunnat.com

اجرائے مُحدث کے مقاصد

- عناد اور تعصّب قوم کیلئے زہر ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں!
لیکن تعصّبات سے بالاتر رہ کر افہام و تفہیم اُمت کیلئے رحمت کا باعث ہے۔

- علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں!
لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دَقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

- غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے!
لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سر انجام نہ دینا حمیت دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

- تبلیغ دین اور اشاعت اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالح دینیہ کے خلاف ہے!
لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین و مسائل اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

- آئین و سیاست سے بیگانہ ہر کر عبادت کیلئے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے!
لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی۔

- جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے!
لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ محدث لاہور

کا مطالعہ فرمائیے، آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزین پائیں گے، ان شاء اللہ!
کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

ملت اسلامیہ کا علمی واصلاحی مجلہ
ماہنامہ محدث
لاہور پاکستان

جلد ۳۹ شمارہ ۳
صفر ۱۴۲۸ھ
مارچ ۲۰۰۷ء

فہرست مضامین

فکر و نظر
مسجدِ اقصیٰ؛صہیونیوں کے نرغے میں! حافظ حسن مدنی ۲
حدیث و سنت
حفاظتِ حدیث میں صحابہ کرامؓ کا کردار حافظ عبدالرشید اظہر ۲۱
دار الافتاء
اولاد کو تحفہ وغیرہ دینے کے احکام حافظ عبداللہ روپڑیؒ ۳۶
تحقیق و تنقید
جاوید احمد غامدی اور تحریفِ قرآن محمد رفیق چودھری ۴۶
مفکر قرآن بمقابلہ مصور پاکستان حافظ محمد دین قاسمی ۵۱
فقہ و اجتہاد
بلادِ اسلامیہ میں غیر مسلموں کے حقوق ڈاکٹر صالح العاید ۶۸

مدیر اعلیٰ
حافظ عبدالرحمن مدنی

مدیر
حافظ حسن مدنی
0333-4213525

زر سالانہ ۲۰۰ روپے
فی شمارہ ۲۰ روپے

بیرونِ ملک
زر سالانہ ۲۰ ڈالر
فی شمارہ ۲ ڈالر

Monthly MUHADDIS A/c No: 984
UBL - Model Town Crossing, Lahore

دفتر کا پتہ:
۹۹ جے، ماڈل ٹاؤن
لاہور 54700
5866476
5866396
Email: hhasan@wol.net.pk

Publisher
Hafiz Abdul Rahman Madani

Printer
Shirkat Printing Press, Lahore

محدث کتاب و سنت کی روشنی میں آزادانہ بحث و تحقیق کا حامی ہے ادارہ کا مضمون نگار حضرات سے کلّی اتفاق ضروری نہیں!

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فکر و نظر

مسجدِ اقصیٰ؛صہیونیوں کے نرغے میں!

اسرائیل کو تسلیم کرنے پر پاکستان میں صدر مشرف نے اگست ۲۰۰۳ء میں بحث مباحثہ کا آغاز کیا جو تا حال مختلف پہلوؤں سے جاری ہے۔ابھی حال ہی (جنوری ۲۰۰۷ء) میں جنرل پرویز مشرف 'ہم خیال ممالک کا گروپ' تشکیل دینے کے لئے مشرقِ وسطیٰ کے ۵ ممالک کا دورہ بھی کر آئے ہیں جس کے نتیجے میں اسلام آباد میں ایران اور شام کو نظر انداز کرکے باقی مسلم ممالک کے وزرا خارجہ کا اجلاس بھی منعقد ہوچکا ہے ۔صدر کے دورے کے فوراً بعد فروری ۲۰۰۷ء میں ایک بار پھر مسجد ِاقصیٰ کو صہیونی جارحیت کا نشانہ بننا پڑا ہے۔ان حالات میں مناسب سمجھا گیا کہ مسلمانانِ پاکستان کے سامنے مسجدِ اقصیٰ کے بارے میں یہودیوں کے موقف اور صہیونیوں کے اس کردار کو پیش کیا جائے جو بوجوہ نظروں سے اوجھل ہوچکا ہے۔زیر نظر مضمون سے مسجدِ اقصیٰ کے بارے میں بعض ضروری حقائق سے مطلع کرنا ہی مقصود ہے۔جہاں تک اس موضوع کے دیگر پہلو اور بعض دینی رسائل میں مسجدِ اقصیٰ کی تولیت پر ایک شرعی بحث کا تعلق ہے تو اس کے لئے مستقل مضمون درکار ہے۔

حضرت عمر بن خطابؓ کے اوائل دورِ خلافت (۱۴ھ/۶۳۶ء) میں حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح کی زیر قیادت مسلمانوں نے بیت المقدس کو فتح کیا۔اس کے بعد لگا تار ۱۴ صدیوں (۱۹۶۷ء) تک بیت المقدس کا شہر اور مسجدِ اقصیٰ مسلمانوں کی نگرانی میں ہی رہے۔ درمیان میں ۱۰۹۹ء سے ۱۱۸۷ء (۱۵/رجب ۵۸۳ھ) تک کے ۸۸ برس ایسے گزرے جب بیت المقدس پر عیسائیوں نے قبضہ کرلیا اور سلطان صلاح الدین ایوبی نے اسے ان کے قبضہ سے واگزار کرایا۔ ۷ جون ۱۹۶۷ء کو یہودیوں نے پورے بیت المقدس پر اپنے قبضہ کو توسیع دے لی جبکہ اس سے قبل ۱۹۴۸ء میں برطانیہ کے تعاون سے وہ فلسطین کی سرزمین پر اسرائیلی ریاست بھی قائم کرچکے تھے۔

۱۸۹۷ء میں سوئٹزر لینڈ کے شہر بال میں منعقدہ عالمی کانفرنس کے نتیجے میں بپا ہونے والی صہیونی تحریک کے دو بنیادی اہداف تھے: ایک تو ارضِ مقدس میں یہودیوں کے لئے مستقل وطن کا قیام اور دوسرا مسجدِ اقصیٰ کی جگہ مزعومہ ہیکل سلیمانی کی تعمیر☆۔ صہیون کا لفظ دراصل

www.KitaboSunnat.com

بیت المقدس⊙ یا اس پہاڑی کے لئے بولا جاتا ہے جس پر مسجد اقصیٰ موجود ہے، اس لحاظ سے ارضِ مقدس کے علاقہ کو اپنے وطن کے لئے منتخب کرنا اور مسجد اقصیٰ کی جگہ اپنے معبد کو تعمیر کرنا ہی تحریکِ صہیونیت کے بنیادی اہداف ہیں۔

اس تحریک کے پہلے ہدف یعنی ارضِ مقدس کو یہودی وطن قرار دینے کے بارے میں یاد رہنا چاہئے کہ برطانیہ نے اس مقصد کے لئے پہلے پہل یہود کو براعظم افریقہ کے بعض ممالک: ایتھوپیا، تنزانیہ وغیرہ دینے کی پیش کش بھی کی تھی کیونکہ بیت المقدس کو یہ مقدس حیثیت تمام یہودیوں کے ہاں حاصل نہیں بلکہ بعض یہودی مثلاً افریسی فرقہ یہ حیثیت افریقی ملک ایتھوپیا کے ایک مقام کو دیتے ہیں اور ان کے نزدیک تابوتِ عہد بھی وہیں ہے۔ یہ فرقہ نہ بیت المقدس کو یہ حیثیت دیتا ہے اور نہ ہی ہیکل کو تعمیر کرنے کا داعی ہے جبکہ سامری فرقہ نابلس شہر کو مقدس حیثیت دیتا ہے▣ لیکن آخر کار یہود کے تسلیم نہ کرنے کی بنا پر ۱۹۴۸ء میں برطانیہ نے یہاں سے واپس جاتے ہوئے فلسطین کی سرزمین اس کے اصل باشندوں کی

☆ ورلڈ اسمبلی آف مسلم یوتھ WAMY کے زیرنگرانی تیار شدہ انسائیکلوپیڈیا میں ہے کہ الصهيونية ترمي إلى إقامة دولة لليهود في فلسطين... وإعادة تشييد هيكل سليمان من جديد بحيث تكون القدس عاصمة لها (موسوعة الأديان والمذاهب : ۵۲۱/۱) ہیکل سلیمانی کا صہیونی تصور تاریخی حقیقت سے زیادہ روحانی ہے، صہیونی ریاست کا مطلب سادہ الفاظ میں ہیکل سلیمانی کی تعمیر ہے: ''فإن الدولة الصهيونية هي الهيكل الثالث'' (موسوعة اليهود واليهودية)

⊙ صہیون Zion کا لفظ مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے، البتہ اس کے تمام معانی میں بیت المقدس سے کوئی نہ کوئی مناسبت ضرور پائی جاتی ہے۔ بعض کے نزدیک یہ بیت المقدس میں ایک عبادت گاہ کا نام ہے۔ بعض لوگ اس سے بیت المقدس میں 'صہیون' نامی مقدس پہاڑ مراد لیتے ہے جس پر یہودی روایات کے مطابق حضرت داود کی قبر تھی یا اس پر حضرت مریمؑ نے عبادت کی تھی۔ بعض کے نزدیک جبل صہیون اس جبل قدس / جبل موریا Temple Mount کے مترادف ہے جس پر مسجد اقصیٰ واقع ہے۔ بعض کے خیال میں صہیون کا لفظ پورے شہر بیت المقدس کے لئے عام ہے۔ بعض اوقات اسے یہودی ماؤں پر بولا جاتا ہے چنانچہ یہودی عورتوں کو بنتِ صہیون کہا جاتا ہے، اس وقت اس سے کوئی زمینی مقام کی بجائے مذہبی تصور مراد ہوتا ہے۔ صہیونیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ ان کے مسیح کی آمد پر یہ علاقہ دنیا بھر کا مرکزِ حکومت بن جائے گا۔

▣ مزید تفصیل: فلسطین میں یہودیوں کی آبادکاری از مولانا مجاہد الحسینی، ۲ قسطیں ضربِ مؤمن ۱۷ نومبر ۲۰۰۶ء اور متذکرہ یہودی فرقوں کے عقائد کے لئے: موسوعة الأديان والمذاهب: ۵۰۳/۱

www.KitaboSunnat.com

بجائے یہود کے حوالے کردی۔ اس بنا پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ مسئلہ کشمیر کی طرح قضیہ فلسطین..... جو دنیا کے دو اہم مسئلے اور جنگوں کی بنیادی وجہ رہے ہیں اور ہر دو مسلمانوں کے ساتھ ظلم روا رکھا گیا ہے.....کو پیدا کرنے والی حکومت برطانیہ ہی ہے، جن کو بعد میں حل کرنے کی بجائے ظالم کی سرپرستی کرکے امریکہ مزید پنپنے کے مواقع فراہم کررہا ہے۔

جہاں تک اس سرزمین پر یہودی قبضے اور اسے ان کا وطن قرار دینے کا تعلق ہے تو عالمی قوتوں کی کھلم کھلا تائید کے بعد ہی یہود کا اس پر غاصبانہ قبضہ ہوا جس میں اِنہی قوتوں کی مدد سے ۱۹۶۷ء میں اسرائیل نے بیت المقدس تک مزید توسیع کرلی۔ یہ اس مسئلہ کا ایک سیاسی پہلو ہے اور ایک مستقل موضوع ہے کہ یہودیوں کو یہاں بساتے ہوئے عالمی قوتوں نے یہاں کے باشندوں سے کونسی زیادتیوں کا ارتکاب کیا۔ اس پہلو کو ہم فی الحال مؤخر کرتے ہیں۔

جہاں تک تحریکِ صہیونیت کے دوسرے نظریے کا تعلق ہے یعنی مسجد اقصیٰ کی جگہ مزعومہ ہیکل سلیمانی کی تعمیر تو یہ واضح رہنا چاہئے کہ نہ صرف سپر قوتیں، عالمی رائے عامہ بلکہ خود اسرائیلی حکومت نے بھی کبھی موجودہ 'مسجدِ اقصیٰ' پر قانونی حق رکھنے کا دعویٰ نہیں کیا۔ صہیونیوں کے پاس محض ایک پروپیگنڈہ ہے کہ اس مسجد کے نیچے ہیکل سلیمانی کے آثار موجود ہیں، اس بنا پر جذباتی طور پر وہ اس مسجد کو نعوذ باللہ منہدم کرکے یہاں ہیکل سلیمانی بنانا چاہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بیت المقدس پر یہود کے غاصبانہ قبضہ کو ۳۹ برس پورے ہونے کے باوجود اُنہوں نے کھلم کھلا سرکاری طور پر اس کو منہدم کرنے کا عزم کبھی ظاہر نہیں کیا بلکہ وہ ہمیشہ سے ہی بظاہر اس کی حفاظت کا ہی دعویٰ کرتے رہے ہیں۔ چونکہ مسجدِ اقصیٰ اس وقت بیت المقدس (یہودیوں کا دیا ہوا نام: یروشلم) کی انتظامیہ کے زیرنگرانی ہے، اس بنا پر یہود کوئی ایسے جواز حاصل ہوجاتے ہیں کہ وہ مختلف حیلوں بہانوں سے عملاً مسجد پر جارحیت کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں۔ اس مسجد پر مسلمانوں کے قانونی استحقاق کو یہودیوں کے تسلیم کرنے کا پتہ اس امر سے بھی چلتا ہے کہ ۱۹۶۷ء میں بیت المقدس پر قبضہ کرنے کے بعد اُنہوں نے اس مسجد کا متولی اُردن کے ہاشمی خاندان کو قرار دیا اور اس کے بعد سے احاطہ قدس کا کنٹرول بظاہر یروشلم کے مسلم وقف کے ہی حوالے ہے۔ ('الشریعۃ' بابت ستمبر ۲۰۰۳ء، ص ۴۰)

ایسے ہی جب بھی اس مسجد کو نقصان پہنچانے کی کوشش ہوئی تو اسرائیلی حکومت بظاہر اس کا

www.KitaboSunnat.com

مداوا کرنے کی کوششیں بھی کرتی رہی ہے۔ مثال کے طور پر ۲۱/ اگست ۱۹۶۹ء میں جب آسٹریلیا کے ایک یہودی ڈینس مائیکل (یا ڈینس روہان) کے ذریعے مسجد میں آگ لگائی گئی جو ۴۰۰ مربع میٹر تک پھیل گئی تو اسرائیلی انتظامیہ نے عملاً آگ بجھانے کی کاروائیوں کو ممکنہ حد تک مؤخر کرنے کی کوشش کی تاکہ مسجد کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچ سکے، لیکن دوسری طرف اس یہودی کے خلاف اسرائیلی عدالت میں مقدمہ بھی چلایا اور آخرکار اس کو جنونی قرار دے کر بری کردیا گیا۔ اس موقعہ پر مسجد کا کافی حصہ جل جانے کے علاوہ کئی نوادرات بھی شدید متاثر ہوئے جن میں وہ منبر بھی شامل تھا جو سلطان صلاح الدین ایوبی نے بطورِ خاص اس مسجد میں رکھوایا تھا۔ اس وقت بھی یہودی حکومت نے اس ساز و سامان کی از سر نو اصلاح کرانے کا دعویٰ کیا اور اُردن کے ہاشمی خاندان سے ملنے والا ایسا ہی ایک منبر دوبارہ نصب بھی کرایا۔ ان اقدامات سے پتہ چلتا ہے کہ اسرائیلی حکومت اپنی تمام تر انتہاپسندی اور تعصب کے باوجود یہ دعویٰ نہیں کرتی کہ اس مسجد پر وہ من مانے تصرف کی مجاز ہے۔

مسجد ِاقصیٰ کا انہدام تحریکِ صہیونیت کا مرکزی نکتہ ہے لیکن اسرائیلی حکومت کو باضابطہ طور پر اس پر اپنا حق جمانے کی آج تک جرات نہ ہوسکی، اس مسجد پر مسلمانوں کے استحقاق کی وجہ تاریخی طور پر یہ ہے کہ جب مسلمانوں نے اس مقام پر مسجد کو تعمیر کیا تھا تو اس وقت یہ جگہ ویران تھی، حضرت عمرؓ نے خود یہاں سے کوڑا کرکٹ صاف کرکے اس مسجد کو قائم کیا تھا۔ خلیفہ راشد حضرت عمرؓ کے بارے میں یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ آپ جیسا عادل حکمران کسی اور قوم کی عبادت گاہ پر اسلامی مرکز تعمیر کرکے کسی دوسری قوم کا مذہبی حق غصب کریں گے۔ بعض روایات میں تو یہاں تک آتا ہے کہ جب حضرت عمرؓ بیت المقدس میں آئے تو یہاں موجود عیسائیوں کے گرجاؤں میں بھی آپ کو جانے کا موقع ملا، اور وہاں آپ سے نماز ادا کرنے کو کہا گیا تو محض اس بنا پر آپ نے وہاں نماز نہیں پڑھی کہ آپ کے اس فعل کو مبارک سمجھ کر بعد میں آنے والے مسلمان اس جگہ پر مسجد تعمیر کرنے کا خیال دل میں نہ لے آئیں۔ بعدازاں مسلمانوں نے چودہ صدیوں میں مسجد ِاقصیٰ کی کئی بار اصلاح اور تعمیر کی اور ہمیشہ اس مرکز کو بھرپور تقدس فراہم کیا۔

علاوہ ازیں تحریکِ صہیونیت جس ہیکل کی تعمیر کی دعویدار ہے، ۳۹ برس کی مسلسل کوششوں

www.KitaboSunnat.com

اور کھدائی کے باوجود اس سرزمین میں اس کے آثار بھی کہیں دریافت نہیں کئے جا سکے۔ اس بنا پر بھی یہودیوں کو سرکاری طور پر یہ اس مسجد پر اپنا حق جمانے کی جرات نہیں ہوتی۔

لیکن جہاں یہ حقیقت ہے کہ مسجد ِاقصیٰ پر اہل کتاب کا کوئی گروہ اپنا دعویٰ کرنے کی جسارت نہیں کرسکتا، وہاں عملاً صہیونی تحریک کے پیدا کردہ جنون کے زیر اثر اسرائیل کے قیام کے دن سے یہ مسجد یہودیوں کی شر انگیزی کا نشانہ ہے۔ جب ۱۹۶۷ء میں ابھی بیت المقدس پر اسرائیل کا غاصبانہ قبضہ نہیں ہوا تھا، اس سے پہلے ریاستِ اسرائیل کے قیام کے بعد ہی اس مسجد پر گولہ باری کا آغاز ہوگیا، جس کے نتیجے میں پہنچنے والے نقصان کے مداوا کے لئے ۱۹۵۸ء میں مسلم ممالک کے مشترکہ چندے سے مسجد کی تعمیر کا آغاز کیا گیا۔ یاد رہے کہ ابھی اس سے چند برس قبل ۱۹۳۰ء سے ۱۹۴۲ء کے دوران مسجد کی اصلاح وتعمیر کا کام برطانوی استعمار کے زیرنگرانی مکمل کیا گیا تھا۔ بعدازاں ۲۷ جون ۱۹۶۷ء کو بیت المقدس کو جب قانونی طور پر اسرائیلی حکومت نے اپنے تسلط میں لے لیا تو اس کے بعد سے یہودیوں کی شرانگیزیوں میں کئی گنا اضافہ ہوگیا اور انہوں نے اس سے اگلے مہینے جولائی میں ہی مسجد سے ملحقہ عمارتوں کو مسمار کرنا شروع کردیا۔

مسجدِ اقصیٰ کا احاطہ ۴۴۰۰ مربع میٹر پر پھیلا ہوا ہے جس میں قبہ صخرہ، قبہ سلسلہ، قبہ موسیٰ، جامع نساء، جامع عمر، مصلی مروانی، سبیلیں، کنویں، درسی چبوترے، وضوخانہ اور اسلامی میوزیم وغیرہ شامل ہیں۔ اس احاطے میں داخل ہونے کا مرکزی راستہ احاطے کی جنوب مغربی دیوار میں واقع ہے جسے باب المغاربہ کہتے ہیں۔ یوں تو اس احاطے میں داخل ہونے کے اور بھی کئی دروازے ہیں جن کی تعداد ۱۱ ہے، لیکن یہ دروازہ اس اعتبار سے اہم ہے کہ احاطے میں موجود مسجد اقصیٰ تک پہنچنے کا اصل دروازہ یہی ہے۔ اس دروازے میں داخل ہوتے ہی دائیں ہاتھ اسلامی میوزیم ہے، اور سامنے مسجدِ اقصیٰ ہے جس کے دائیں پہلو میں خواتین کے لئے جائے نماز ہے اور بائیں پہلو میں وہ ہال ہے جس کو جامع عمر کہا جاتا ہے۔ اس مرکزی مسجد سے قدرے ہٹ کر احاطے کے دوسرے نصف میں قبہ صخرہ موجود ہے۔ یہ وہی سنہرا گنبد ہے جسے میڈیا میں عموماً مسجد اقصیٰ کے طور پر پیش کیا جاتا ہے، جبکہ درحقیقت ایسا نہیں۔ اس گنبد کے جنوبی سمت ایسی ہی ایک چھوٹی عمارت بھی ہے جو قبہ موسیٰ کے نام سے مشہور ہے۔ مسجدِ اقصیٰ کا

www.KitaboSunnat.com

مرکزی دروازہ جو اس احاطے کے جنوب مغرب میں واقع ہے، کے ساتھ ہی وہ دیوار بھی ہے جس کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ یہاں معراج کی رات نبی کریم ﷺ نے براق کو باندھا یا کھڑا کیا تھا۔ اس تفصیل کو بیان کرنے کا مقصد ایک تو ان اُمور کی اصلاح ہے جو میڈیا پر پیش کئے جاتے ہیں، دوسرے اس زمینی حقیقت کو جاننے کے بعد ہی مسجدِ اقصیٰ کے بارے میں حالیہ اقدامات کی سنگینی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ چونکہ مسجدِ اقصیٰ کا یہ مرکزی دروازہ ہے اور اس کے ساتھ دیوارِ براق بھی واقع ہے، جسے یہودی دیوارِ گریہ کا نام دیتے ہیں، اسلئے اس سارے احاطے میں اس جنوب مغربی حصہ کے اہمیت کئی لحاظ سے کافی بڑھ جاتی ہے اور حالیہ جارحیت کی طرح پہلے بھی برسہا برس مسجد کا یہی حصہ یہودی شورشوں اور سازشوں کا مرکز رہا ہے۔☆

اس دروازہ کے باہر واقع رہائشی علاقہ کا نام حی المغاربہ (مراکشی محلّہ) ہے۔ جون ۱۹۶۷ء میں بیت المقدس پر یہودی تسلط کے فوراً بعد جولائی میں جن عمارتوں کو مسمار کیا گیا، وہ یہی مراکشی محلّہ تھا۔ تاریخی طور پر یہ علاقہ سلطان صلاح الدین ایوبی نے بیت المقدس کو عیسائیوں سے واگزار کرانے کے بعد مراکشیوں کی خدمات کے اعتراف میں ان کو عطا کیا تھا۔ جب جولائی ۱۹۶۷ء میں اس علاقے کو مسمار کیا گیا تو اس کے نتیجے میں تین ہزار گھرانے بے گھر ہوگئے اور اس میں موجود چار مسجدیں اور ایک مدرسہ افضلیہ⦿ بھی ڈھا دیا گیا۔ اسی علاقے میں مسجدِ اقصیٰ کے زائرین اور حصولِ علم کے لئے آنے والے طلبہ واساتذہ سکونت پذیر ہوتے تھے۔ اب اس مقام پر گذشتہ ۳۹ برسوں میں یہودیوں نے جدید عمارتیں تعمیر کرلی ہیں۔

بیت المقدس پر تسلط کے پہلے ماہ میں ہی ایسی جارحانہ کارروائیوں کا نوٹس لیتے ہوئے یہ مسئلہ اقوامِ متحدہ میں اٹھایا گیا اور اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی اور سلامتی کونسل نے فوری طور پر ۴؍جولائی ۱۹۶۷ء کو یہ قرار داد منظور کی کہ بیت المقدس کی سابقہ حیثیت میں کوئی تبدیلی نہیں کی جائے گی۔ یہ بھی قرار دیا گیا کہ مسجد اقصیٰ میں موجود تمام آثار کے متولی مسلمان ہی ہیں، کوئی

☆ مسجد اقصیٰ میں ان مقامات کی ٹھیک ٹھیک نشاندہی واضح تصاویر کی محتاج ہے۔ چونکہ مسجد اقصیٰ کی مستند تصاویر نایاب ہیں، اس لئے محدث کی ویب سائٹ پر اس کی کئی تصاویر جن میں سے اہم ترین کو ۲۰۰۵ء میں فلسطین کی وزارتِ مذہبی اُمور نے شائع کیا ہے، اَپ لوڈ کردیا گیا ہے۔ شائقین ویب سائٹ پر زیر نظر مضمون کے آغاز میں اُنہیں بھی ملاحظہ کرسکتے ہیں۔

⦿ اس علاقے میں یہ مدرسہ چھٹی صدی ہجری میں مملوک سلطان الملک الافضل نے تعمیر کروایا تھا۔

www.KitaboSunnat.com

اور قوم اس میں شریک و سہیم نہیں۔ اسلامی تصورات سے قطع نظر مسلمانوں کے اس مقدس مقام پر تاریخی استحقاق کی یہ تیسری بنیاد ہے کہ عالمی رائے عامہ بھی اسے تسلیم کرتی ہے۔

چنانچہ صہیونی تحریک نے جب یہ جان لیا کہ وہ نہ تو خود اپنے اساسی نظریہ کو برملا کہنے کی قوت رکھتے ہیں اور عالمی رائے عامہ بھی اس سلسلے میں اُنہیں کوئی قانونی جواز فراہم نہیں کر رہی تو اُنہوں نے مختلف حیلوں بہانوں سے اپنے ہدف کی طرف پیش قدمی جاری رکھی۔ چنانچہ اقوامِ متحدہ کی قراردادوں کی صریحاً بھی مخالفت کی گئی اور در پردہ بھی، مثلاً بیسیوں مرتبہ مختلف بہانوں سے مسجد اقصیٰ کے نیچے کھدائی کروا کر سرنگیں نکالی گئیں حتیٰ کہ ۲۸/اگست ۱۹۸۱ء کو یہ انکشاف ہوا کہ یہ سرنگیں مسجد کے صحن تک پہنچ چکی ہیں جو ۱۹۸۸ء میں مزید آگے بڑھتے ہوئے قبہ صخرہ کے نیچے تک جا پہنچیں۔ ۱۹۹۶ء میں ایریل شیرون نے باقاعدہ مسجد اقصیٰ کے نیچے ایک سرنگ کا افتتاح کیا جس کی وضاحت کرتے ہوئے عبرانی روزنامہ یدیعوت احرنوت نے اپنی ۲۱/مارچ ۱۹۹۷ء کی اشاعت میں برملا کہا کہ یہودی ۲ ہزار برس قدیم اس راستے کی تلاش میں ہیں جو شہر کے اندرونی حصہ سے ہیکل سلیمانی کی طرف جاتا ہے۔ بڑے پیمانے پر کھودی جانے والی ان سرنگوں کا مقصد دراصل یہ ہے کہ کسی طرح یہ مسجد از خود منہدم ہو جائے اور اسے قدرتی آفت قرار دے دیا جائے۔

مزید برآں مسجد سے ملحقہ مقبرہ میں ۴۱۷ قبروں کو مسمار کر کے اسے سکیڑ دیا گیا، دائرہ اوقافِ اسلامیہ کی ایک رپورٹ کے مطابق ۱۹۹۸ء تک ۳۵۷۰ کے لگ بھگ اسلامی آثار کو منہدم کر دیا گیا۔ یہ تو وہ اقدامات ہیں جو اقوام متحدہ کی قراردادوں سے صریحاً متصادم ہیں، البتہ مسجد اقصیٰ کو براہِ راست نقصان پہنچانے کی وہ پھر بھی ہمت نہیں کر سکے لیکن اس کے لئے موزوں فضا کی تیاری میں اُنہوں نے کبھی کوئی کوتاہی نہیں کی، مثلاً انتہا پسند تنظیموں اور ذرائع ابلاغ کو مسجد اقصیٰ کو مسمار کرنے کے نظریے کی کھلے عام ترویج کرنے کی اجازت اور ترغیب دینا، بیت المقدس میں کھلے عام گاڑیوں میں ایسے اعلانات اور نغمے/ترانے نشر کرنا جن میں مسجدِ اقصیٰ کے خلاف عوامی غیض وغضب کو بھڑکایا جائے۔ انہی اقدامات کا نتیجہ یہ ہے کہ ۱۱/مئی ۱۹۸۰ء، ۲۵/جولائی ۱۹۸۲ء، ۱۰/اگست ۱۹۸۴ء اور ۱۰/ستمبر ۱۹۹۸ء کی تاریخوں میں چار مرتبہ اس مسجد کو بموں اور دھماکہ خیز مواد سے مسمار کرنے کی کوششیں کی گئیں جبکہ مسجد کی بے

www.KitaboSunnat.com

حرمتی کے واقعات تو اَن گنت ہیں۔

مزعومہ ہیکل کی تعمیر کا جنون

فروری ۲۰۰۷ء میں مسجدِ اقصیٰ میں ہونے والی جارحیت یوں تو اس تمام کاروائی کا ایک تسلسل ہے جو کم وبیش ۳۹ برس سے کسی نہ کسی شکل میں جاری ہے لیکن بعض پہلوؤں سے اب یہ کوششیں حتمی مرحلہ میں داخل ہوتی نظر آرہی ہیں۔صہیونیوں کی یہ خواہش ہے کہ بیت المقدس پر قبضہ کے چالیس سال پورے ہونے پر وہ مزعومہ ہیکل سلیمانی کی تعمیر کا آغاز کردیں، یاد رہے کہ ۱۸ برس قبل ۱۷/اکتوبر ۱۹۸۹ء کو وہ مسجد اقصیٰ کے ساتھ تین سو پانچ ٹن وزنی پتھر رکھ کر اس کا سنگِ بنیاد رکھ چکے ہیں۔ اور اس سے اگلے برس ۱۸/اکتوبر ۱۹۹۰ء کو مسجد اقصیٰ کے اندر بھی اس ہیکل کی تعمیر کی کوشش کر چکے ہیں۔اب عوامی پیمانے پر ہیکل کی تعمیر کے لئے پھیلایا جانے والا جنون اس قدر بڑھ چکا ہے کہ اس منصوبے کو مزید مؤخر کرنا مشکل ہوتا جارہا ہے۔ باخبر ذرائع کا کہنا ہے کہ اب یہودی علما نے ہیکل کی تعمیر کے آغاز کے لئے دن کا بھی تعین کر دیا ہے اور وہ دن ۱۴/مئی ۲۰۰۸ء کا ہے جب اسرائیل کے قیام کو ۶۰ برس پورے ہوجائیں گے۔

اس سلسلے میں فضا کو مزید سازگار بنانے کے لئے یہودی علما سے شرعی رائے☆ (فتوے) لیے گئے ہیں،صہیونی تنظیموں نے ہیکل کے چھوٹے ماڈل تیار کرکے دنیا بھر کے یہودیوں میں تقسیم کردیے ہیں تاکہ اس اقدام پر اسرائیل کو مالی اور معنوی ہر طرح کی امداد اور تعاون حاصل ہوسکے، وہ کپڑا ابھی سیا جاچکا ہے جو ہیکل سلیمانی کی مختلف عمارتوں پر چڑھایا جائے گا، ہیکل کے وسط میں لٹکانے کے لئے فانوس بھی تیار کیا جاچکا جس میں 'قادم بینوچز' نامی یہودی تاجر نے ۴۲ کلوگرام سونا عطیہ دیا ہے، اس یہودی قبیلہ کا تعین بھی کرلیا گیا ہے جو مزعومہ ہیکل کے انتظامی اُمور سنبھالے گا،قبیلہ کا نام 'لیفی' ہے۔ ہیکل کی حفاظت کے لئے گارڈز اور یہودی علما کا انتخاب بھی عمل میں آچکا ہے۔ ہیکل کے سلسلے میں حتمی اقدامات کے لئے ۳۰ کے قریب انتہا پسند یہودی تنظیموں نے جنوری ۲۰۰۷ء کے آخر میں اتحاد کرلیا ہے۔

حالیہ جارحیت

اس مہم میں تیزی اس وقت آئی جب ۲۴ جنوری ۲۰۰۷ء کو اسرائیل کی آثارِ قدیمہ اتھارٹی نے یہ دعویٰ کیا کہ مسجد اقصیٰ کے نیچے ہیکل سلیمانی کی وہ سڑک دریافت کرلی گئی ہے جو دیوارِ

www.KitaboSunnat.com

براق سے دیوارِ سلوان کی طرف جاتی ہے۔

ایک طرف صہیونیوں کے خود ساختہ دعووں اور یکطرفہ اقدامات کی یہ کیفیت ہے اور دوسری طرف مسجدِ اقصیٰ کے علاقے میں نہ صرف مسلمانوں کی آزادانہ آمد ورفت پر پابندی اور سرکاری اجازت کے بغیر مسجد اقصیٰ میں داخلہ بھی بند ہے بلکہ اس علاقے کی تصویر وغیرہ لینا بھی ممنوع

☆ یہاں ہیکل کی تعمیر کے بارے میں یہودی قوم کے شرعی موقف کا تذکرہ مناسب ہوگا، ان کے ہاں اس سلسلے میں دوموقف پائے جاتے ہیں: فقہی طور پر یہ بات تو تقریباً متفقہ ہے کہ ہیکل کودوبارہ تعمیر کیا جائے کیونکہ تالمود میں یہاں قربانی وغیرہ کی تفصیلات اوراحکام کا تذکرہ پایا جاتا ہے۔البتہ اس ہیکل کی دوبارہ تعمیر کی کیفیت اور وقت کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

غالب فقہی رائے تو یہ ہے کہ اس کی تعمیر کے لئے مشیت ِالٰہی کے مطابق دورِ مسیح (مشیحانی) کا انتظار کیا جائے اور اس کے آنے تک تعمیر کو موقوف رکھا جائے ،بعض یہودی رہنماؤں کا تو یہاں تک خیال ہے کہ انسانی ہاتھوں سے اس کی تعمیر ممکن ہی نہیں، جبکہ بعض کا عقیدہ ہے کہ یہ مکمل صورت میں آسمان سے نازل ہوگا۔ فقہاے یہود کا یہ بھی کہنا ہے کہ نہ تو یہودی اس وقت پاک ہیں کیونکہ وہ قبروں اور مردوں کو چھونے کی وجہ سے طاہر نہیں رہے اور ان کو یہ طہارت اس سرخ بچھڑے کے خون سے حاصل ہوگی جو ابھی تک آسمان سے نازل نہیں ہوا اور نہ ہی یہودی عقیدے کے مطابق وہ جگہ (یعنی جبل موریا یا جبل بیت المقدس) بھی پاک ہے کیونکہ وہاں مسجد اقصیٰ اور ۱۰۰ کے قریب مسلم آثار موجود ہیں۔ اس لئے ان حالات میں یہودیوں کا اس مقام پر جا کر ہیکل کو تعمیر کرنا فقہی اعتبار سے غلط ہوگا۔مزید برآں جبل موریا پر قدس الاقداس نامی متبرک ترین مقام پر یہودی عقیدے کے مطابق کسی طاہر یہودی کے قدم پڑنا بھی اس وقت تک جائز نہیں جب تک کہ وہ ایک خاص قربانی نہ دے لے، اب عین قدس الاقداس والے مقام کا تعین اور اس قربانی کا امکان اس وقت تک موقوف ہے جب تک مشیتِ الٰہی کے مطابق یہودیوں کا مسیح (ماشیح) منتظر واپس نہ لوٹ آئے۔

البتہ ایک چھوٹی اقلیت کی رائے یہ ہے کہ مسیح کے آنے سے قبل ہیکل کی تعمیر کرنا ضروری ہے، اوراس علاقے میں داخلے کے لئے کسی یہودی کو کسی خصوصی پاکیزگی کی ضرورت نہیں۔ گو کہ یہ رائے بہت شاذ ہے لیکن چونکہ یہ دراصل یہودیوں میں صہیونیوں کی رائے ہے، اس بنا پر اُنہوں نے ابلاغی ہتھکنڈوں سے اس رائے کو ملت یہود پر غالب کررکھا ہے۔ یہود کے اس داخلی فقہی اختلاف سے فائدہ اٹھا کر صہیونیوں نے قدس الاقداس کا از خود تعین بھی کر دیا ہے۔ موجودہ صورتحال کو بہتر طور پر سمجھنے کیلئے بہتر ہوگا کہ یہودی نظریات کو دو قسموں میں تقسیم کرکے سمجھا جائے: صہیونی اور غیر صہیونی یہودی۔ جہاں تک غیر صہیونیوں کا تعلق ہے تو ان کے ایک گروہ کا خیال تو یہ ہے کہ ہیکل سلیمانی وغیرہ میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں، نہ تو وہ بیت المقدس میں پہنچنے کو اہمیت

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ اقصیٰ فاؤنڈیشن اور معتبر مسلم ذرائع کا کہنا ہے کہ اسرائیل نے مسجد اقصیٰ کے جنوب مغربی دیوار کے نیچے واقع دو حجروں کو شہید کر دیا ہے جبکہ اسرائیلی میڈیا مثلاً عبرانی روزنامہ

دیتے ہیں اور نہ ہی وہاں کسی ہیکل کی تعمیر کو، اُنہوں نے ہیکل کے نظریے کو جڑ سے اکھاڑنے کے لئے اپنی تمام دعاؤں اور مذہبی تصورات وغیرہ میں بھی ہیکل کا لفظ باقی نہیں رہنے دیا، بالخصوص ۱۸۱۸ء سے وہ اپنی تمام عبادت گاہوں کے لئے انگریزی لفظ ٹیمپل (معبد) کا استعمال کرتے ہیں۔ ان کا نظریہ یہ ہے کہ ہیکل کبھی بھی نہیں بنے گا۔ اور جہاں بھی معبد بن جائے، اس سے مراد ہیکل ہی ہے۔

غیر صہیونیوں کا دوسرا (روایت پسند) گروہ اس کے برعکس ہیکل کی تعمیر کا منتظر ہے اور اس کے لئے دعائیں بھی کرتا ہے، یہ لوگ اپنے معبد کو یونانی لفظ 'سینی گاگ' سے تعبیر کرتے ہیں اور ہیکل کے لفظ کو ہیکل سلیمانی کیلئے ہی مخصوص قرار دیتے ہیں، لیکن ان کا موقف یہ ہے کہ ہیکل کی تعمیر کا مسئلہ مسیح کی دوبارہ آمد سے ہی مشروط ہے۔

جہاں تک صہیونی یہودیوں کا تعلق ہے تو ان کے لادین گروہ کے مطابق ہیکل وغیرہ کی تعمیر کوئی شرعی مسئلہ نہیں ہے، محض یہودیوں کیلئے بیت المقدس میں مستقل وطن کا قیام ایک قومی ضرورت ہے۔ یہ لوگ نہ تو کسی قربانی وغیرہ کے تصور پر یقین رکھتے ہیں اور نہ ہی ہیکل کی تعمیر وغیرہ پر۔ ان کا خیال ہے کہ صہیونیوں نے بلاوجہ ہیکل کی تعمیر کا مسئلہ کھڑا کیا ہوا ہے، اسرائیل میں اس نوعیت کے صہیونیوں کی بھی بڑی تعداد پائی جاتی ہے۔

یہودیوں کا چوتھا گروہ یعنی متدین صہیونی ہی وہ واحد فرقہ ہے جو ہر قیمت پر ہیکل سلیمانی کو تعمیر کرنے پر تلا ہوا ہے، ان کے نزدیک ہیکل کی فوری تعمیر ہی اہم ترین مسئلہ ہے۔ یہی لوگ ہیں جو حیلوں بہانوں سے مسجد اقصیٰ اور آثارِ اسلامیہ کو ڈھانے کے لئے ہر کوشش بروئے کار لا رہے ہیں، انہی انتہاپسندوں نے بموں اور دھماکہ خیز مواد سے مسجد اقصیٰ کو منہدم کرنے کی کئی بار کوشش کی۔ اس سلسلے میں اس فرقے کی ایک نمائندہ تنظیم 'اُمناء جبل ہیکل' (محافظانِ جبل ہیکل) کا نام لیا جاسکتا ہے، امریکی کروڑ پتی یہودی ٹری رائزن ہوور اس تنظیم کا اہم سپورٹر ہے۔ اس فرقے کا دعویٰ ہے کہ مسجد اقصیٰ کے تمام تر احاطے پر یہود کا بلاشرکت غیرے حق ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے سابقہ مراکشی محلے میں یہودیوں کے دینی مدارس بھی قائم کر رکھے ہیں اور یہاں وہ لوگوں کو قربانی اور ہیکل میں یہودی عبادتوں کی تربیت اور عسکری ٹریننگ دیتے ہیں۔ افسوسناک امر یہ ہے کہ اس فرقے کی بعض کتب اور پروپیگنڈے کا اثر یہودی عوام میں روز بروز پھیلتا جا رہا ہے اور اُنہیں یہود کے دیگر فرقوں کے بالمقابل زیادہ مقبولیت مل رہی ہے جس بنا پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ معمولی انتہاپسند اقلیت، یہودی اکثریت کو اپنے مقصد کے لئے استعمال کرنے میں کسی وقت بھی کامیاب ہوسکتی ہے۔ اس یہودی گروہ نے عیسائیوں کو بھی اپنے مزعومہ ہدف پر اس حد تک متاثر کرلیا ہے کہ ۱۹۹۰ء میں اسرائیلی وزارتِ مذہبی اُمور کے زیرنگرانی بیت المقدس میں منعقد ہونے والی عالمی عیسائی کانفرنس میں عیسائیوں نے بھی اس نظریہ کا برملا اعتراف کیا کہ حضرت عیسیٰؑ کا دوبارہ نزول ہیکل سلیمانی کی تعمیر سے مشروط ہے، اس لئے اُنہیں اس یہودی فرقے کی ہر طرح مدد کرنا چاہئے۔ (یہ تفصیلات ۱۶ جلدوں پر مشتمل اس عربی 'انسائیکلوپیڈیا برائے یہود، یہودیت اور صہیونیت' سے ماخوذ ہیں جس نے ۱۹۹۹ء میں مصر میں پہلا انعام حاصل کیا ہے۔)

www.KitaboSunnat.com

یدیعوت احرنوت کا دعویٰ ہے کہ یہ حجرے اور دیوارِ براق سے ملحقہ مسجد تو تین برس قبل شہید کی جا چکی ہے اور اس کی تائید میں اسرائیلی ماہر آثار قدیمہ کی یہ رپورٹ پیش کر دی جاتی ہے کہ تین برس قبل مراکشی دروازے کے پاس ایک مسجد کے آثار ملے تھے جسے اعلان کئے بغیر مسمار کر دیا گیا۔ اس کی ایک اور مثال یہ بھی ہے کہ جب میڈیا میں چند ماہ قبل یہ خبر شائع ہوئی کہ سابق اسرائیلی صدر موشے کستاف نے ایک یہودی معبد کا افتتاح کیا ہے تو اُس وقت فلسطینی مسلمانوں کو علم ہوا کہ مسجد اقصیٰ سے بالکل ملحق اس مسجد کی جگہ پر ایک یہودی معبد تعمیر کر دیا گیا ہے جس میں مرد و زن کیلئے دو علیحدہ ہال بنائے گئے ہیں۔

مزید برآں ۱۰ جنوری ۲۰۰۷ء کو انتہاپسند یہودی تنظیم عطیرت کوھنیم نے بیت المقدس کی بلدیہ سے مسجد اقصیٰ کے ایک اور دروازہ 'باب واد' (جو قبہ صخرہ کے بالمقابل ہے) سے متصلاً باہر قطانین بازار میں ۲۰۰ مربع فٹ پر ایک اور یہودی معبد خانہ بنانے کا این او سی بھی حاصل کیا ہے جب کہ اس مقام پر بھی کئی اسلامی یادگاریں موجود تھیں۔

حالیہ اقدامات کا تعلق دراصل اس منصوبہ سے ہے جس کی رو سے مسجد اقصیٰ کو مسلمانوں اور یہودیوں میں تقسیم کرنے کی سازش کی جارہی ہے۔ سابق اسرائیلی وزیراعظم ایریل شیرون نے ۱۱؍اپریل ۲۰۰۵ء کو واشنگٹن میں اس منصوبہ کی دستاویزات اور تصاویر امریکی حکومت کے سامنے پیش کیں، امریکی حکومت نے اس منصوبہ کو سراہا اور اپنا کردار ادا کرنے کی حامی بھری۔ اس منصوبہ کی رو سے مسجد اقصیٰ کے جنوبی اور مغربی حصہ کو (جہاں درحقیقت مسجد اقصیٰ واقع ہے) شہید کر کے وہاں ہیکل سلیمانی کی تعمیر کرنا ہے۔

اس منصوبہ کو سامنے رکھتے ہوئے حالیہ جارحیت کو تین مراحل میں تقسیم کیا گیا ہے: مسجد اقصیٰ کے جنوب مغرب میں واقع مغاربہ سڑک کو منہدم کرنا، اس سڑک کی جگہ ایک پل تعمیر کرنا اور تیسرے مرحلے میں دیوارِ گریہ کی توسیع کرتے ہوئے جنوبی دیوار تک کے علاقہ کو اپنے قبضے میں کرنا اور وہاں دیوارِ براق (گریہ) کے ساتھ ایک بڑا یہودی معبد تعمیر کرنا۔

یاد رہے کہ مغاربہ محلّہ کی طرح مغاربہ سڑک کو بھی سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے تعمیر کرایا تھا اور فلسطینیوں کے لئے مسجد اقصیٰ میں داخل ہونے کا فی الوقت واحد راستہ یہی ہے۔ یہودیوں نے اس سڑک کے نیچے کھدائی کر کے اس کو کمزور کر دیا جس کے نتیجے میں ۱۵؍فروری

www.KitaboSunnat.com

۲۰۰۴ء کو سڑک کا کچھ حصہ بارشوں کے باعث گر گیا۔ اسرائیلی حکومت نے اس سڑک کو خود تعمیر کرنے یا مسلمانوں کو تعمیر کی اجازت دینے کی بجائے ۱۳/اگست ۲۰۰۶ء کو اسے مسمار کرنے کا فیصلہ کیا۔ جب ۶ فروری ۲۰۰۷ء کو بلدیہ کے کئی بلڈوزروں نے اس سڑک اور اس سے ملحقہ رکاوٹوں کو مسمار کرنا شروع کیا تو ہزاروں فلسطینی مسلمان اس کو بچانے کے لئے جمع ہوگئے۔ اور ۹ فروری کو جمعہ کے بعد مسلمانوں نے شدید احتجاج کیا جس کے نتیجے میں بلدیہ کو کھدائی روکنا پڑی۔ ۱۱/فروری کو اسرائیلی کابینہ نے اپنے اجلاس میں یہ قرار دیا کہ اس کھدائی سے مسجد اقصیٰ کو کوئی خطرہ نہیں، اس کا مقصد تو دراصل ایک پل تعمیر کرنا ہے جس سے مسلمانوں کے مسجد اقصیٰ میں داخل ہونے کا راستہ فراخ ہوجائے گا۔

لیکن اسرائیلی حکومت کی اس توجیہ کو باخبر فلسطینی تنظیمیں تسلیم کرنے سے انکاری ہیں، کیونکہ ماضی میں اسرائیل نے مسجد میں مسلمان زائرین کے داخلے کی کبھی حوصلہ افزائی نہیں کی بلکہ مسجد کو پہنچنے والے نقصان کی اصلاح کی اجازت تک نہیں دی جاتی اور سامان مرمت لے جانے سے روک دیا جاتا ہے۔ یہودیوں کے اس مسلسل رویے کی بنا پر مسلمانوں کے تاریخی راستہ (مغاربہ سڑک) کو مسمار کرکے اس کے اوپر سے بڑا پل بنانے کے بارے میں مسلمانوں میں گہرے شبہات پائے جاتے ہیں جنہیں کئی پہلوؤں سے تقویت بھی ملتی ہے اور اس کی تصدیق بعض شواہد اور خفیہ تصاویر سے بھی ہوتی ہے، یہ مختلف اندیشے حسب ذیل ہیں:

❶ دراصل یہودی اس طرح دیوارِ براق کو اپنے تصرف میں لاکر اور جنوبی دیوار کو مغربی دیوار سے ملاتے ہوئے وہاں ایک یہودی معبد (سینی گاگ) تعمیر کرنا چاہتے ہیں، جیسا کہ آثار قدیمہ کمیٹی کے چیئرمین میئر بن دوف نے صہیونی پارلیمنٹ کی داخلی کمیٹی کے اجلاس میں اس امر کا خود تذکرہ کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ مسلمانوں کا راستہ تو معمولی اخراجات اور انتظام کے ذریعے تعمیر ہوسکتا ہے، اس قدر بڑے منصوبے کی وجہ یہ ہے کہ باب المغاربہ سے متصل تمام علاقے میں کھدائی کرکے مسجد اقصیٰ کو نقصان پہنچایا جائے۔ ان کے ہمراہ مزید ۳۶ دیگر ماہرین آثار قدیمہ نے بھی بلدیہ کے اس اقدام کی مخالفت کی ہے اور حکومت سے یہ کام فوری طور پر بند کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔ یہاں یہ بھی یاد رہنا چاہئے کہ یہودیوں کے نزدیک مسجد اقصیٰ میں اس وقت سب سے متبرک مقام دیوار براق (گریہ) ہے، جسے وہ مزعومہ ہیکل سلیمانی کی واحد

www.KitaboSunnat.com

یادگار قرار دیتے ہیں۔ دیوار کے بارے میں مزید حقائق آگے آرہے ہیں۔

❷ سابق اسرائیلی وزیراعظم بنیامین مزار کی بیٹی ایلات مزار جو خود آثارِ قدیمہ کی ماہر ہے، نے انکشاف کیا ہے کہ سڑک کو گرانے اور مسجد کے مغربی سمت میں کھدائی کرنے کا مقصد ہیکل سلیمانی کے اہم تاریخی دروازے بارکلیز کو تعمیر کرنا ہے۔ اپنے عقیدے کے مطابق یہودی پہلی مرتبہ ہیکل میں اسی دروازے سے داخل ہوں گے۔

❸ یہ بھی کہا جارہا ہے کہ پل کے ذریعے ایک کشادہ راستہ تعمیر کرنے کا مقصد دراصل مسجد اقصیٰ پر یہودیوں کے کسی بڑے اقدام کو ممکن بنانا ہے تاکہ بڑی تعداد میں وہ بآسانی وہاں داخل ہوسکیں اور بعد ازاں اس راستے کو مجوزہ ہیکل سلیمانی کے لئے استعمال کیا جائے۔ تحریک اسلامی، فلسطین کے سربراہ شیخ زائد صلاح الدین کے بقول حالیہ کاروائیوں کا مقصد مغربی دیوار کے نیچے موجود مٹی کے ٹیلے 'تل ترابیہ' کو منہدم کرنا ہے، یہ ٹیلہ زمین سے ۲۰ میٹر بلند ہے اور اسے اُموی دور میں تعمیر کیا گیا تھا۔ ان کا کہنا ہے کہ ٹیلے کو منہدم کرنے کا مقصد یہودیوں کا مسجد میں براہِ راست داخلہ کو ممکن بنانا ہے اور اس ٹیلے کے انہدام کے ساتھ دیوار براق کا تعلق مسجد سے منقطع ہوکر یہودیوں کے نوتعمیر شدہ محلے سے جاملتا ہے۔ صہیونی تنظیم عیر عامیم کی رپورٹ کے مطابق اس نئے پل کی تعمیر سے اسرائیلی سیکورٹی فورسز کے ۳۰۰ اہل کار بیک وقت مسجد اقصیٰ میں داخل ہوکر فوجی کاروائی کرسکیں گے۔ یاد رہے کہ نئے پل کی لمبائی ۲۰۰ میٹر ہے اور یہ آٹھ ستونوں پر کھڑا کیا جائے گا۔ اس قدر مضبوط پل کی تعمیر کا مقصد محض انسانوں کے عبور کرنے کے بجائے فوجی ساز وسامان، بڑے ٹرکوں اور بلڈوزروں کے گزرنے کا راستہ بنانا ہے۔

❹ مسلمانوں کی مسجد اقصیٰ تک رسائی کا آسان طریقہ یہ تھا کہ سڑک کی تعمیر کردی جاتی یا ضروری حد تک پل تعمیر کردیا جاتا، جس کی لاگت بھی معمولی ہوتی لیکن ایک بڑے پل کے نام پر لمبی چوڑی کھدائی کرکے بالکل قریب واقع مسجد اقصیٰ کی عمارت کو زمین سے مزید کھوکھلا کرنا مقصود ہے۔ دوسری طرف اس پل کا بوجھ اس قدر زیادہ ہے کہ جس مقام پر اس کا بوجھ ڈالا جارہا ہے، مسجدِ اقصیٰ کا وہ حصہ اتنا بوجھ سہنے کی اہلیت نہیں رکھتا، اس کے نتیجے میں بھی عمارت کے جلدی منہدم ہوجانے کا اندیشہ ہے۔

مسلمانوں کے شدید احتجاج کے بعد پہلے پہل بیت المقدس کی بلدیہ نے کھدائی کا کام

www.KitaboSunnat.com

روکنے کا اعلان کیا اور آثارِ قدیمہ کے کام کو جاری رکھنے کا کہا تھا لیکن آخرکار کھدائی روک دینے کا اعلان بھی واپس لے لیا۔تحریک اسلامی،فلسطین کے نائب سربراہ شیخ کمال الخطیب کا کہنا ہے کہ درپردہ کھدائی کا کام بھی تک جاری ہے،ٹریکٹروں کی بجائے چھوٹی مشینوں اور اوزاروں کے ساتھ کھدائی کی جارہی ہے، عالمی میڈیا سے اس امر کو چھپانے کے لئے وہاں موجود خیموں کے اندر سے کھودا جارہا اور مٹی کو پلاسٹک بیگوں میں ڈال کر دور پھینکا جارہا ہے۔مسجد کی بنیادوں کو کھوکھلا کرنے کے لئے کیمیکل بھی بہایا جارہا ہے تاکہ اسکی دیواریں شدید کمزور ہوجائیں اقصیٰ فاؤنڈیشن کا کہنا ہے کہ کھدائی کی وجہ سے جنوبی دیوار میں کئی دراڑیں پڑچکی ہیں اور اسرائیلی فوجیوں نے وہاں لوہے کی باڑ لگادی ہے اور فلسطینی شہریوں کو وہاں جانے بھی نہیں دیا جارہا۔

دیوارِ براق

یہود کا دعویٰ ہے کہ یہ دیوار اس ہیکل دوم (ہیرود) کی باقی ماندہ آخری یادگار ہے جسے دو ہزار برس قبل ۷۰ء میں شاہ ٹیٹوس نے مسمار کردیا تھا۔اس اعتبار سے یہ دیوارِ گریہ Wailing Wall ان کے نزدیک موجودہ آثار میں واحد شے ہے جو مقدس ترین حیثیت رکھتی ہے۔جبکہ مسلمان اس دعوے کو تسلیم نہیں کرتے،اور حالات وواقعات سے بھی اس کی نفی ہی ہوتی ہے۔

صہیونیت نے یوں تو باقاعدہ ایک تحریک کے طور پر ۱۸۹۷ء میں جنم لیا،مگر اس تحریک کے افکار اس سے ایک دو صدی قبل یہود کے ہاں متعارف ہونا شروع ہوچکے تھے،عین انہی سالوں میں یہود نے اس دیوار سے تقدس کو منسوب کیا۔یہی وجہ ہے کہ سولہویں صدی سے قبل یہود کے ہاں اس دیوار کی زیارت کا کوئی تصور نہیں ملتا۔'انسائیکلو پیڈیا یہود اور یہودیت' میں اس دیوار پر لکھے جانے والا مقالے میں درج ہے کہ

والواقع أن كل المصادر التى تتحدث عن يهود القدس حتى القرن السادس عشر تلاحظ ارتباطهم بموقع الهيكل وحسب ولا توجد أية إشارة محددة إلى الحائط الغربي . كما أن الكاتب اليهودي نحمانيدس (القرن الثالث عشر) لم يذكر الحائط الغربي في وصفه التفصيلي لموقع الهيكل عام ١٢٦٧م. ولم يأت له ذكر أيضا في المصادر اليهودية التي تتضمن وصفا للقدس حتى القرن الخامس عشر ويبدوا

www.KitaboSunnat.com

أن حائط المبكى قد أصبح محل قداسة خاصة ابتداء من ١٥٢٠م في أعقاب الفتح العثماني

''امر واقعہ یہ ہے کہ ایسے تمام مصادر ومراجع جن سے ١٦ویں صدی عیسوی سے قبل یہود کے مقام ہیکل سے کسی تعلق کا علم ہوتا ہے، ان میں حائط غربی (دیوارِ گریہ) کے بارے میں کوئی متعین اشارہ بھی نہیں ملتا۔ جیسا کہ ١٣ویں صدی کے یہودی محقق نحمانیدس نے ١٢٦٧ء میں ہیکل کے مقام کی تفصیلات پیش کرتے ہوئے اس دیوار کا تذکرہ تک نہیں کیا۔ چنانچہ ١٥ویں صدی عیسوی تک یہود کے وہ مراجع جن سے بیت المقدس کی تفصیلات کا علم ہوتا ہے، ان میں اس دیوار کا کوئی تذکرہ موجود نہیں ہے۔ یوں لگتا ہے کہ دیوارِ گریہ کے تقدس کی ابتدا ١٥٢٠ء میں خلافتِ عثمانیہ کے قیام کے بعد ہوئی۔''

آگے لکھتے ہیں کہ دراصل اس موقع پر یہود کا ایک انتہا پسند قبیلہ بیت المقدس میں فروکش ہوا تھا جو حلولی عقائد کا حامل تھا، حلولی نظریہ عموماً بعض مقدس اشیا اور مقامات میں اپنا مظہر تلاش کرتا ہے۔ عین ممکن ہے کہ مسلمانوں میں جس طرح حجر اسود اور کعبہ کو خاص تقدس حاصل ہے، اسی کو سامنے رکھتے ہوئے اس دیوار کو بھی مصنوعی مقامِ تقدس عطا کر دیا گیا ہو۔ دیوارِ براق پر یہ ایمان ١٩ویں صدی میں پختہ ہونا شروع ہوا اور صہیونی ذہنیت میں اس کا تقدس آہستہ آہستہ راسخ ہوا۔ یاد رہے کہ اس دیوار کا تقدس بھی یہودیوں کے ہاں متفقہ امر نہیں ہے بلکہ آج بھی اس دیوار سے تھوڑے فاصلے پر قیام پذیر ناطوری جماعت کا سربراہ زائرین کو اس کی زیارت سے روکتا رہتا اور برملا کہتا ہے کہ یہ صہیونی حیلوں میں سے محض ایک فریب ہے، اس سے زیادہ اس کو مقدس قرار دینے کی کوئی حیثیت نہیں۔ اس مقالہ میں پھر ان کوششوں کا ذکر کیا گیا ہے کہ آخری دو صدیوں میں بیسیوں بار یہود نے انفرادی اور اجتماعی طور پر مسلمانوں سے اس دیوار کو خریدنے کی کوشش کی لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے۔

مایوس ہو کر صہیونیوں نے دھونس اور دھاندلی سے اپنا مقصد پورا کرنے کا راستہ اپنایا اور فلسطین پر انگریز کے دورِ استعمار میں اس دیوار پر اپنا حق جمانا شروع کیا اور مسلمانوں سے تقاضا کیا کہ وہ اس سے دستبردار ہو جائیں۔ اپنے انگریز سرپرستوں کی حکومت میں اس اختلاف نے اتنی شدت اختیار کر لی کہ یہ مسئلہ حل کرنے کے لئے ١٩٢٩ء میں برطانیہ کو باقاعدہ تحقیقاتی کمیشن Shaw Commission قائم کرنا پڑا جہاں دونوں فریقوں کے بیانات لئے گئے۔

www.KitaboSunnat.com

مسلمانوں نے اپنے حق کے حصول کے لئے ثورۃ البراق کے نام سے ایک تحریک شروع کی، یہی مسئلہ اس وقت کی اقوام متحدہ 'لیگ آف نیشنز' میں بھی زیر بحث آیا۔ یہودی چونکہ اپنے دعوے کا کوئی دستاویزی ثبوت مہیا نہیں کر سکے، اسلئے دسمبر ۱۹۳۰ء میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ یہ دیوار یہود کی بجائے مسلمانوں کی ملکیت ہے اور مسجد اقصیٰ کا حصہ ہے، یہود کا اس پر کوئی حق نہیں۔ فلسطین پر مسلط برطانوی سامراج نے فریقین کا موقف سننے کے بعد یہ فیصلہ سنایا:

وقد قررت اللجنة أن المسلمين هم المالك الوحيد للحائط وللمناطق المجاورة وإن اليهود يمكنهم الوصول إلى الحائط للأغراض الدينية

''برطانوی کمیشن نے قرار دیا کہ مسلمان ہی اس دیوار اور اس سے ملحقہ علاقوں کے اکیلے مالک ہیں، اور یہود کو یہاں صرف اپنی دینی اغراض پوری کرنے کیلئے آنے کی اجازت ہے''

اُنہوں نے یہ بھی قرار دیا کہ یہود یہاں اختلاف پیدا کرنے والی عبادتیں کرنے کے مجاز نہیں اور اپنی عبادت کے لئے کسی ضروری چیز کو وہاں رکھنے کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ وہ جگہ یہود کی ملکیت میں آ گئی ہے۔ جیسا کہ ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں کہ اس دیوار کے بارے میں بھی یہود کا موقف متفقہ نہیں بلکہ صہیونی یہودیوں کے دونوں گروہوں میں اس کے حوالے سے کئی ایک اختلافات پائے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ لادین صہیونی اس دیوار کو عبرانی میں 'کوٹیل' کا نام دیتے ہیں جس کا مطلب نائٹ ڈانس کلب ہے، تصور کے اسی اختلاف کا نتیجہ ہے کہ اب آخری چند سالوں میں یہ مقام اباحیت، آزادروی اور فحاشی کا مرکز بنتا جا رہا ہے۔

اس تمام حقائق کے باوجود صہیونی اس امر کو تسلیم نہیں کرتے اور اسے ہیکل سلیمانی کا بقیہ ماندہ حصہ قرار دینے کی اپنی سی کوششیں جاری رکھے ہوئے ہیں۔ چنانچہ اپنے زیر اثر میڈیا میں انہوں نے اس دیوار کو دیوارِ براق کی بجائے دیوارِ گریہ کے نام سے مشہور کیا۔ جب اس مسئلہ کو دلائل کی بنا پر تسلیم کروانا ممکن نہ رہا تو طاقت اور ہٹ دھرمی کا طریقہ بروئے کار لایا گیا اور جس طرح جون ۱۹۶۷ء میں اسرائیلی حکومت نے ایک قرارداد کے ذریعے مشرقی اور مغربی بیت المقدس کو متحد کر کے یروشلم کا نام دیا تھا، عین اسی طرح ۲۶ مئی ۱۹۹۸ء کو اسرائیلی پارلیمنٹ سے ایک قانون پاس کروایا جس کی رو سے دیوارِ براق کو مسلمانوں کی بجائے یہود کی ملکیت قرار دے دیا گیا۔

اب وہی دیوارِ براق جس کی لمبائی ۵۰ میٹر اور چوڑائی ۲۰ میٹر ہے اور جو باب المغاربہ

www.KitaboSunnat.com

سے ملحق ہے کے ساتھ یہودی مختلف کھدائیوں کے بہانے اپنا معبد تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔

یہودی جارحیت کے مضمرات اور اُمتِ مسلمہ کا فرض

پیچھے زیادہ تر مسجد اقصیٰ کے بارے میں صہیونیوں کی ریشہ دوانیوں اور عزائم کا تذکرہ کیا گیا ہے لیکن صہیونیوں کی ان کوششوں کے پس منظر میں کیا مقصد پوشیدہ ہے؟ اس سلسلے میں عرض ہے کہ مسجد اقصیٰ کی چار دیواری بہت وسیع ہے۔ اس میں بنیادی طور پر دو بڑی عمارتیں ہیں، مغربی سمت میں مسجدِ اقصیٰ اور مشرقی سمت میں قبہ صخرہ۔ یہود کی عرصہ دراز سے یہ کوشش چلی آرہی ہے کہ وہ قبہ صخرہ کو مسجد اقصیٰ بنا کر مسلمانوں میں اس سے وابستگی کو ہی فروغ دیں۔ دوسری طرف وہ احاطہ جہاں مسجدِ اقصیٰ واقع ہے اور باب المغاربہ جو مسجدِ اقصیٰ کا براہِ راست واحد راستہ ہے جس کے ساتھ دیوارِ گریہ بھی واقع ہے، اس حصہ کے بارے میں ان کے عزائم خطرناک ہیں جیسا کہ اپریل ۲۰۰۵ء میں ہونے والی ملاقات میں ایریل شیرون نے واشنگٹن کو یہ منصوبہ پیش کیا ہے کہ مسجد اقصیٰ کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے ؛ جنوب مغربی کو منہدم کر دیا جائے اور مشرقی حصہ کو باقی رہنے دیا جائے۔ اس منصوبہ سے بھی پتہ چلتا ہے کہ جس عمارت کا انہدام صہیونیوں کے پیش نظر ہے وہ عین مسجدِ اقصیٰ ہے۔ اسی لئے قبہ صخرہ کو مسجد اقصیٰ کے طور پر مشہور کیا جارہا ہے تاکہ اس کی موجودگی میں عام مسلمان شدید ردعمل کا شکار نہ ہوں۔

بنیادی سوال یہ ہے کہ اگر یہود اس علاقے میں کوئی ہیکل تعمیر کرنا بھی چاہتے ہیں جس سے ان کے مذہبی جذبات وابستہ ہیں تو اس کے لئے مسجدِ اقصیٰ کا انہدام کیوں ضروری ہے اور وہ عین اس مقام پر ہی کیوں تعمیر ہوتا ہے جہاں یہ مقدس عمارت موجود ہے؟ مسجد اقصیٰ کے احاطے میں شمال مغربی حصہ اور دیگر بہت سے حصے بالکل خالی ہیں، وہاں وہ قبہ بھی ہے جس کے بارے میں اکثر مسلم علما کا موقف یہ ہے کہ اس قبہ صخرہ کی کوئی شرعی فضیلت نہیں حتیٰ کہ حضرت عمرؓ نے یہاں نماز پڑھنا بھی گوارا نہیں کیا تھا۔ یوں بھی یہود کے ہاں قبلہ کی حیثیت اس کو حاصل رہی ہے کیونکہ اُنہوں نے خیمہ اجتماع کو اپنا قبلہ بنایا ہوا تھا جو قبہ صخرہ کے مقام سے اُٹھا لیا گیا چنانچہ قبہ صخرہ کو اس کا آخری مقام ہونے کے ناطے اُنہوں نے اسے ہی اپنا قبلہ قرار دے لیا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ یہود قبہ صخرہ پر کوئی تصرف کرنے کی بجائے سارا زور مسجدِ اقصیٰ پر ہی صرف کررہے ہیں؟

www.KitaboSunnat.com

ہماری نظر میں اس مسئلے کی حیثیت مذہبی سے زیادہ سیاسی ہے، بالفرض بیت المقدس کو یہودی کا مرکزِ عبادت تسلیم بھی کر لیا جائے تو ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ دنیا میں مختلف اقوام کی مرکزی عبادت گاہیں ان کے زیر انتظام نہیں ہیں۔اس کی بڑی مثال خود پاکستان میں ننکانہ میں سکھوں کا مذہبی مرکز (دربار گورونانک صاحب) ہے۔ اگر سکھ یہاں آکر باقاعدگی سے عبادت کرتے ہیں اور مسلمانوں نے اس کی اُنہیں اجازت دی ہوئی ہے،تو اس سے یہ مسئلہ قطعاً پیدا نہیں ہوتا کہ سکھ قوم کا لازماً ننکانہ شہر پر سیاسی قبضہ بھی ہونا چاہئے۔ گویا مرکزِ عبادت ہونا اور سیاسی قبضہ ہونا دو ایسی چیزیں نہیں جو باہم لازم وملزوم ہوں۔ جس طرح سکھ ننکانہ صاحب میں آکر اپنی رسومات ادا کرتے ہیں، اسی طرح مسلمان مسجدِ اقصیٰ میں جاکر عبادت کرتے ہیں جو یہودیوں کے زیر انتظام ہے ...... گوکہ یہودیوں کا اس علاقے پر قبضہ بھی ایک مستقل سیاسی تنازعہ ہے جو عالمی تنازعوں میں سرفہرست ہے...... اگر کسی قوم کا مرکز عبادت ہونا انکے سیاسی قبضہ کو بھی مستلزم ہے تو ہمیں کل کلاں سکھوں کو بھی یہ حق دینے کیلئے تیار رہنا چاہئے۔

ان حالات میں صہیونیوں کا درپردہ مسجد اقصیٰ کو منہدم کرکے عین اسی مقام پر ہیکل کی تعمیر کا دعویٰ دراصل ایسا اقدام ہے جس کی عالمی قوانین اور تہذیب واخلاق کسی بھی اعتبار سے تائید نہیں کی جاسکتی۔اس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ مسلمانوں کو اس علاقے سے کلی طور پر بے دخل کیا جائے اور بیت المقدس کو مسلم ذہنیت سے اسی طرح خارج کردیا جائے جیسے اندلس پر مسلمانوں کے دورِ حکومت تاریخ کا ایک باب بن کررہ گیا ہے۔صہیونیوں کا خیال ہے کہ بیت المقدس پر ان کے دائمی تسلط میں مسجدِ اقصیٰ کا وجود ایک مستقل رکاوٹ ہے جس کو ختم کئے بغیر وہ اس علاقے سے مسلمانوں کی دلچسپی کو ختم نہیں کرسکتے۔مسلمانوں کے مذہبی شعور سے بیت المقدس کو کھرچنے کا واحد طریقہ یہی ہے کہ یہاں سے مسجدِ اقصیٰ کو سرے سے ہی منہدم کردیا جائے۔ یہ مسجد اقصیٰ کی ہی اہمیت ہے کہ دنیا بھر کے مسلمان فلسطین کے دیگر شہروں تل ابیب یا بیت اللحم وغیرہ کے یہودیوں میں قبضہ میں چلے جانے سے اس طرح برافروختہ نہیں ہوتے جو سنگین صورتحال بیت المقدس کے سلسلے میں پیدا ہوتی ہے۔

مسجد اقصیٰ کے نیچے ہیکل کے آثار کا دعویٰ بالکل ایسا ہی ہے جیسے ہندوستان میں انتہا پسند

www.KitaboSunnat.com

ہندوں نے بابری مسجد کے عین نیچے مندر کے وجود کا دعویٰ کیا تھا اور اب ہندوستان کی انتہا پسند تنظیموں نے مزید سینکڑوں ایسی مساجد کے انہدام کا دعویٰ بھی کر ڈالا ہے کہ وہ سب مندروں پر تعمیر کی گئی ہیں۔ اس نوعیت کے دعووں کے ذریعے دراصل کسی قوم میں مذہبی اشتعال اور احساسِ محرومی پیدا کرنا مقصود ہوتا ہے تاکہ وہ پوری جذباتی وابستگی اور پھر پور قوت کے ساتھ اپنے مرکز عبادت کو دوبارہ قائم کرنے کے لئے مجتمع ہوجائے۔ اگر یہود مسجد اقصیٰ کے احاطے سے باہر کوئی بھی ہیکل تعمیر کرنا چاہتے ہیں تو اس میں مسلمانوں کو کیا اعتراض ہوسکتا ہے؟ البتہ جہاں تک مسجد اقصیٰ کے احاطے کی بات ہے تو اس میں موجود مسجد اقصیٰ شرعی طور پر اور دیگر آثار تاریخی طور پر مسلمانوں کی ہی ملکیت ہیں۔ عالمی اداروں نے بھی انہیں مسلمانوں کا حق ہی قرار دے رکھا ہے، اس لحاظ سے یہود کو انہیں نقصان پہنچانے کا اخلاقاً وقانوناً کوئی حق نہیں۔

ان حالات میں جہاں اُمتِ مسلمہ کے ہر فرد کا فرض ہے کہ وہ اپنے مقاماتِ مقدسہ کا شعور رکھے، ان پر ہونے والی جارحیتوں سے آگاہ ہو تاکہ وہ امہ کا ایک فرد ہونے کے ناطے اپنے اوپر عائد شرعی ذمہ داری سے عہدہ برا ہوسکے اور اس فرض کی ادائیگی میں اپنا حصہ ڈال سکے وہاں مسلم اُمہ کے قائدین کا یہ براہِ راست فرض بنتا ہے کہ وہ مخالف کو سنگین جارحیت سے باز رکھنے کے لئے ہر ممکنہ اقدام بروئے کار لائیں۔ ہمارا فرض محض اس قدر نہیں ہے کہ ہم حقائق کو جاننے کے بعد مطمئن ہوکر بیٹھ جائیں بلکہ ان ظالمانہ اور تلخ حقائق کو بدلنے کے لئے ہر ممکنہ کوشش کرنا بھی ہم پر فرض ہے۔ مسلمانوں کا قبلہ اوّل اور بیت اللہ کے بعد تعمیر ہونے والا دوسرا مبارک ترین اللہ کا گھر صہیونیوں کی سازشوں کے نرغے میں ہے۔ سلطان ایوبی نے تو اس وقت تک چین سے نہ بیٹھنے کی قسم کھائی تھی جب تک وہ بیت المقدس کو عیسائیوں کے تسلط سے آزاد نہ کرالیں، اُسی اُمتِ مسلمہ کے فرزند آج ۴۰ برس گزرنے کے بعد بھی نہ صرف مطمئن و پرسکون ہیں بلکہ آہستہ آہستہ کوتاہی اور مداہنت یوں اپنا اثر دکھا رہی ہے کہ مسلمانوں میں بعض ایسے کرما فرما بھی پیدا ہوگئے ہیں جو مسجدِ اقصیٰ کو اسی طرح یہود کی تولیت میں دے دینے کے داعی ہیں جیسے مسلمانوں کے پاس بیت اللہ الحرام کی تولیت ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے ذمہ عائد فریضے کو ادا کرنے کی قوت عطا فرمائے۔ آمین (حسن مدنی)

www.KitaboSunnat.com

حدیث وسنت

ڈاکٹر حافظ عبدالرشید اظہر

حفاظتِ حدیث اور صحابہ کرامؓ

بکثرت روایت کرنے والے صحابہ کرامؓ کا تذکرہ

اللہ تعالیٰ نے حدیث کی حفاظت کے لیے وحی کو منافقین کی دسترس سے دور رکھا اور اس کا ذمہ صرف اپنے پاکباز بندوں یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سونپا۔ یہی وجہ ہے کہ آج حدیث روایت کرنے والوں میں آپ کسی منافق کو نہیں پائیں گے۔ سچے اور کھرے صحابہؓ جن کی اللہ نے آسمان سے شہادت دی ہے، وہی حدیث روایت کرنے والے ہیں۔

ان میں سے کچھ ایسے تھے جن کا کتاب اللہ کے ساتھ گہرا تعلق تھا اور قرآن کریم کے علوم وفنون پر اُنہوں نے محنت کی۔ کچھ ایسے تھے جو روایتِ حدیث رسول ﷺ میں مشغول ہوگئے اور اس کے لئے اُنہوں نے اپنے آپ کو وقف کیا۔ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ بالخصوص جو بہت زیادہ روایت کرنے والے اصحابِ رسول ہیں، ان کی سوانح اوران کے امتیازات کے بارے میں کسی طرف سے کوئی شبہ نہیں پایا جاتا!!

الزام دیا جاتا ہے کہ بعد میں یہ روایتیں گھڑ لی گئی ہیں۔ جو آٹھ نو مکثرین صحابہؓ (بکثرت روایت کرنے والے) ہیں، ان کی روایات اٹھارہ ہزار سے متجاوز ہیں اور نبی ﷺ کی جملہ احادیث (صحیح اور غیر صحیح) اکٹھی کی جائیں تو پچاس ہزار تک ہی جاتی ہیں جبکہ صحابہ کرامؓ کی تعداد ایک لاکھ کے قریب ہے، اسی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ بعد میں گھڑنے والا الزام کتنا مضحکہ خیز ہے۔ خود نبی ﷺ کی زندگی پر احادیث کی اس تعداد کو تقسیم کریں تو ارشاداتِ نبویہ کی روزانہ اوسط چھ نکلتی ہے، تو کیا یہ تعداد قابل اعتراض ہے؟ حضرت ابوہریرہ کو نبی ﷺ کی صحبت چار سال کے قریب میسر ہوئی ہے اور حضرت ابوہریرہؓ کی تمام روایتیں پانچ ہزار یا ساڑھے پانچ ہزار کے قریب ہیں تو حساب لگا کے دیکھ لیجیے کہ ایک دن کی چار پانچ روایتیں بنتی ہیں۔ دینی مدارس میں زیرِتعلیم بچے آج کے دور میں پچاس پچاس حدیثیں روزانہ پڑھ لیتے

www.KitaboSunnat.com

ہیں تو ابو ہریرہؓ جیسا انسان جس کو حدیث پڑھنے پڑھانے کے لئے اپنے آپ کو وقف کر رکھا تھا، اس نے اگر روزانہ پانچ چھ احادیث حفظ کرلیں تو اس میں اعتراض والی کونسی بات ہے؟ جب کہ ان کو اس کے سوا کوئی کام نہیں تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ساتھ رہتے اور ان کی نیت صرف یہ ہوتی کہ رسول اللہ کی کوئی بات سننے سے رہ نہ جائے۔

عدالتِ صحابہؓ

امام بخاریؒ فرماتے ہیں: من صحب النبي ﷺ أو رآه من المسلمين فهو من أصحاب (صحیح بخاری: کتاب فضائل اصحاب النبیؐ)

''مسلمانوں میں جس شخص کو نبیؐ کو صحبت نصیب ہوئی یا اس نے آپؐ کو دیکھا، وہ آپؐ کے صحابہؓ میں سے ہے۔''

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے ایک معقول شرط کا اضافہ فرمایا ہے کہ

''اس کا خاتمہ بھی اسلام پر ہوا ہو'' (الاصابہ:۱/۷)

"الصحابة كلهم عدول" یہ مقولہ اُمت کے ہاں متفق علیہ ہے۔ یعنی تمام صحابہ کرام عادل ہیں، وہ کفر وفسق و فجور سے متنفر تھے، سب ہی متقی ومحسن تھے، حق وانصاف پر قائم تھے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ نے ان کا تزکیہ فرمایا، صفائی بیان کی، قرآن کریم میں ان کے اوصافِ حمیدہ بیان ہوئے اور ان کی دیانت وامانت کی شہادت ثبت ہوئی۔ اس بنا پر تمام اہل اسلام متفق ہیں کہ تمام صحابہ کرامؓ عادل وثقہ☆ ہیں۔

صحابیت کے ثبوت کے لئے بھی علماے کرام نے بہترین معیار قائم کیا اور حدیثِ نبویؐ کی روشنی میں عہد صحابہ کی انتہا بھی متعین ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«ما من نفس منفوسة اليوم تأتي عليها مائة سنة وهي حية يومئذ»

(صحیح مسلم: ۲۵۳۸)

''کوئی ذی روح انسان ایسا نہیں جو آج زندہ ہے اور سو سال گزرنے کے بعد بھی زندہ ہو۔''

اس حدیث کی روشنی میں علما نے یہ زمانہ ۱۱۰ ہجری تک متعین کیا ہے۔ اس کے بعد کوئی شخص صحابی ہونے کا دعویٰ نہیں کرسکتا تھا۔ علماے کرام نے صحابہ کرامؓ کے بارہ طبقات بیان

☆ مزید تفصیل: الصحابة كلهم عدول از پروفیسر طیب شاہین لودھی (محدث: ۶/۲۶، مارچ ۱۹۹۵ء)

www.KitaboSunnat.com

کئے ہیں اور یہ سارا اہتمام حدیثِ نبوی اور اُسوۂ رسول کی حفاظت کے لئے تھا۔ دین کی حفاظت کا دارومدار بھی چونکہ اسی پر تھا، اس لئے اس کی جزئیات کا خیال رکھا گیا۔ اصحابِ رسولؐ کے بارے میں اُمت کا یہ نقطہ نظر، ان کا یہ احترام اور ان پر اعتماد ارشاداتِ ربانی کی وجہ سے ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا:

﴿وَالسَّابِقُوْنَ الاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالأَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الأَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا أَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ (التوبہ:۱۰۰)

''اور مہاجرین و انصار میں سے جو لوگ اسلام لانے میں سبقت لے جانے والے ہیں اور وہ لوگ جنہوں نے بہت اچھے طریقے سے ان کی پیروی کی، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوگئے اور اللہ نے ان کے لئے ایسے باغات تیار کئے ہیں، جن کے نیچے دریا بہتے ہیں اور وہ ہمیشہ کے لئے ان میں رہیں گے۔ یہ بڑی کامیابی ہے۔'' نیز فرمایا:

﴿اَلَّذِيْنَ آمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ أَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَاللهِ وَأُولٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُوْنَ﴾ (التوبہ:۲۰)

''وہ لوگ جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے جان و مال سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا، وہ اللہ کے ہاں بڑے بلند مرتبہ ہیں اور وہی لوگ کامیاب ہیں۔'' نیز فرمایا:

﴿لَقَدْ تَابَ اللهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِيْنَ وَالأَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ﴾ (التوبہ:۱۱۷)

''اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اور مہاجرین و انصار پر اپنا فضل و کرم فرمایا جنہوں نے مشکل کی گھڑی میں نبیؐ کی پیروی کی۔'' نیز فرمایا:

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَأَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ﴾ (الفتح:۱۸)

''اے نبیؐ! جب مومن درخت کے نیچے تیری بیعت کررہے تھے تو اللہ ان سے راضی ہوا، پھر ان کے دلوں میں (جو اخلاق تھا) وہ ظاہر ہوگیا تو اس نے ان پر سکینت نازل فرمادی۔''

ایک آیت میں تو اللہ نے صحابہؓ کے ایمان کو معیار اور ہدایت کے لئے مثال قرار دیا ہے:

﴿فَإِنْ آمَنُوْا بِمِثْلِ مَا اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ﴾

www.KitaboSunnat.com

''تو اگر یہ لوگ اس طرح ایمان لے آئیں جیسے تم ایمان لائے ہو تو ہدایت پالیں، اور اگر انہوں نے منہ پھیرا تو یقیناً یہ لوگ مخالفت میں ہیں۔'' (البقرۃ:۱۳۷)

حضرت ابوسعید خدریؓ نے نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان روایت کیا ہے کہ

«لا تسبوا أصحابي لو أن أحدكم أنفق مثل أحد ذهبا ما بلغ مد أحدهم ولا نصيفه» (مسلم:۴۶۱۰)

''میرے اصحاب کو بُرا نہ کہو، اگر تم میں سے کوئی شخص اُحد پہاڑ جتنا سونا خرچ کرے پھر بھی وہ ان کے خرچ کردہ ایک مد یا نصف مد کے اجر کو نہیں پہنچ سکتا۔''

«خير أمتي قرني ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم» (صحیح بخاری:۳۳۷۷)

''میری امت کا بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے۔ پھر ان کے بعد والا دور اور پھر ان کے بعد والا''

خلفاے راشدین

اصحابِ رسول ﷺ کے اوّلین طبقہ میں سے ہیں اور آنحضرتؐ کی صحبت سے طویل مدت تک فیض یاب ہوئے۔ اُنہیں عشرہ مبشرہ میں سے ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ آپؓ رسالت مآب کے معتمدِ خاص تھے۔ اُنہیں قرآن کریم کے ساتھ خصوصی شغف کے علاوہ حدیث رسولؐ سے بھی گہری دلچسپی اور محبت تھی۔ حفاظتِ حدیث میں ان کا بڑا عظیم کردار ہے اور کتاب وسنت پر عمل کے اعتبار سے بھی وہ اپنی مثال آپ تھے۔ خلفائے راشدین جہاں روایت حدیث میں انتہائی محتاط تھے وہاں فہم کتاب وسنت میں بھی انتہائی قابل اعتماد تھے۔ ابن قیمؒ فرماتے ہیں:

◉ ''لا يحفظ للصديق خلاف واحد أبدًا'' (اعلام الموقعین:۱/۸۹)

''ابوبکرؓ صدیق کا زندگی بھر ایک عمل بھی نص کے خلاف منقول نہیں ہے۔''

باوجودیکہ ابوبکر صدیقؓ کا عہدِ خلافت شورشوں کا دور تھا، اس کے باوجود ان کا حدیث سے شغف گہرا رہا۔ تذکرۃ الحفاظ میں حضرت عائشہؓ سے منقول ہے:

''جمع أبي الحديث عن رسول الله وكانت خمس مائة حديث'' (ج۱ص۵)

''میرے والد گرامی نے احادیثِ نبویہؐ جمع کی تھیں، ان کا مجموعہ پانچ سو حدیث پر مشتمل تھا۔''

پھر شدتِ احتیاط کی وجہ سے اُنہوں نے اپنا یہ مجموعہ ضائع کر دیا تھا۔

www.KitaboSunnat.com

◉ حضرت عمرؓ بھی روایتِ حدیث میں حد درجہ محتاط تھے، بکثرت روایت سے منع فرماتے۔ بلاتحقیق کوئی حدیث قبول نہ فرماتے۔ حفاظتِ حدیث میں ان کا عظیم کردار ہے۔ مگر بدنصیب منکرین حدیث ان کے اس احتیاط کو انکارِ حدیث کا بہانہ بناتے ہیں۔ جبکہ حدیث میں احتیاط کا یہ طرزِ عمل محدثین کرام کا طرۂ امتیاز ہے۔ اگر حضرت عمرؓ انکار کرتے اور استغنا برتتے تھے تو پھر احتیاط کی کیا ضرورت تھی؟ پھر کلیۃً روایت سے منع کردیتے مگر وہ انتہائی محبّ الحدیث اور ذاتی رائے کو مکروہ سمجھتے تھے۔

ایک بار حضرت ابوہریرہؓ کو حضرت عمرؓ نے یاد دلایا کہ آنحضرتؐ نے جب معروف حدیث «من كذب علي متعمدًا فليتبوأ مقعده من النار» بیان فرمائی تھی تو آپ فلاں مقام پر ہمارے ساتھ تھے تو ابوہریرہؓ نے ہاں میں جواب دیا اور حدیث بھی سنائی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: "إذا أذكرت ذلك فاذهب فحدِّث" (مقدمہ صحیح مسلم)

''اگر تمہیں یہ فرمانِ رسولؐ یاد ہے تو جاؤ حدیث بیان کرو۔''

یہی حدیثِ مبارک محدثین کرام کے منہجِ روایت اور تحقیق کی اساس ہے اور اسی موضوع پر اور بھی متعدد روایات صحیحین میں مذکور ہیں۔

◉ حضرت عثمانؓ بھی حدیث کی حجیت کے صراحۃً قائل تھے۔ ان سے ایک سو چھیالیس (۱۴۶) احادیث مروی ہیں۔ اُنہوں نے اپنے اوّلین خطبہ خلافت میں فرمایا تھا: خبردار! لوگو میں پیروی کرنے والا ہوں، نئی راہ نکالنے والا نہیں ہوں، مجھ پر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی پیروی کے بعد تمہارے تین حق ہیں۔'' (تاریخ طبری: ۴۴۶/۳)

روایتِ حدیث اور سنت پر شدت سے عمل پیرا ہونے کے ساتھ آپؓ بھی محتاط تھے اور حفاظتِ حدیث میں آپؓ کی احتیاط کا بڑا کردار ہے۔ مسند احمد میں منقول ہے:

"ما يمنعني أن أحدث عن رسول الله أن لا أكون أوعى أصحابه عنه ولكني أشهد لسمعته يقول من قال علي مالم أقل فليتبوأ مقعده من النار" (مسند احمد ۴۷۰/۱، ترمذی: کتاب العلم ۳۵/۵)

''میں اگر حدیث بیان نہیں کرتا تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ میں نے دیگر اصحاب کی نسبت کم احادیث یاد کی ہیں۔ لیکن بات یہ ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے آپ کو یہ فرماتے سنا

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ جس نے میری طرف کوئی بات منسوب کی، جو میں نے نہیں کہی تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں تلاش کرے۔''

یعنی حضرت عثمانؓ کو حفظ و روایت سے بھی بڑھ کر حفاظتِ حدیث کی فکر دامن گیر تھی جس کے لئے آپ انتہائی محتاط تھے۔

خبر واحد کی بنیاد پر اپنی رائے اور اجتہاد کو ترک کرنے کی صریح روایات بھی حضرت عثمانؓ سے منقول ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اُنہیں حدیث نبویؐ پر مکمل اعتماد تھا اور وہ اس سلسلے میں کسی قسم کے تردّد کا شکار نہ تھے۔

◉ شہادتِ عثمانؓ کے بعد بالخصوص جب مسلمانوں میں فتنوں نے سر اُٹھایا اور دوسری طرف اسلام کا دائرہ وسیع ہوگیا تو حضرت علیؓ نے خلفاے ثلاثہ کی نسبت روایتِ حدیث میں مزید احتیاط کرنا شروع کردی اور وہ خاصی تحقیق کے بعد حدیث قبول کرتے تھے۔لیکن یہ طرزِ عمل ان کا اپنے عہد خلافت میں تھا۔حضرت علیؓ عموماً یہ حدیث برسرِمنبر بیان کیا کرتے تھے:

قال رسول الله لا تكذبوا علي فإنه من كذب على فليلج النار (بخاری:۱۰۳)

''مجھ پر جھوٹ نہ باندھا کرو جس نے میرے نام سے جھوٹ بولا وہ جہنم میں جائے گا۔''

حضرت علیؓ سے یہ بھی منقول ہے:

فلأن أخرّ من السماء أحب إلي من أن أكذب عليه (ایضاً:۳۳۴۲)

''رسولِ اکرم ﷺ کی طرف بات منسوب کرنے کی نسبت مجھے آسمان سے گرنا گوارا ہے۔''

جب ان کے سامنے کوئی حدیث بیان کرتا تو اس کی صحت کے لئے اس سے قسم لیتے تھے اور خود بھی روایت کرتے تو إي وربّ الكعبة کہہ کر بیان کرتے۔(ابوداؤد:۴۷۶۳)

حضرت علیؓ کے پاس احکامِ نبویہ کا ایک مجموعہ بھی تھا جس کی وہ دل و جان سے زیادہ حفاظت فرماتے تھے۔حتیٰ کہ لوگوں کو غلط فہمی ہونے لگی کہ شاید اس میں کوئی خاص باتیں ہیں۔ اس پر حضرت علیؓ نے یہ مجموعہ لوگوں کو دکھایا تھا۔

حدیثِ رسولؐ سے استغنا ہوتا تو وہ اس کی اتنی حفاظت کیوں کرتے اور روایت میں اس حد تک احتیاط کیوں فرماتے؟

www.KitaboSunnat.com

کثیر الروایہ اصحابِ رسولؐ اور ان کے شخصی محاسن

اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم کی مجموعی تعداد ایک لاکھ کے قریب ہے اور سب کے سب رسول اللہ ﷺ کی محبت سے سرشار اور آپ کے جاں نثار تھے۔ دین پر عمل اور اس کی نشر واشاعت کے لئے سب کی خدمات انتہائی قابل قدر اور مساعی جمیلہ لائق تحسین ہیں۔ اگر ان کو خدمتِ اسلام کے مختلف شعبوں کے حوالے سے دیکھا جائے تو ان میں تخصصات کے رجحانات معلوم ہوتے ہیں اور ان کی طبائع کے مطابق تقسیم کار ہی اسلام کی کامیاب نشر واشاعت کا بڑا سبب نظر آتا ہے۔

جیسے بعض صحابہ کرامؓ کو قرآنِ کریم سے خصوصی شغف تھا یا ان کے مزاج وطبیعت اور استعداد کے پیش نظر آنحضرت ﷺ نے اُنہیں کاتبِ وحی کے طور پر قرآنِ کریم کی کتابت کے لئے منتخب فرمایا تھا، بالکل ویسے ہی توفیقِ باری سے ایک خاص جماعتِ صحابہ کو حفظ وکتابت کا خصوصی اعزاز حاصل ہوا اور کل میسر لما خلق له کے مطابق اُنہیں اللہ نے اس کی خصوصی صلاحیت سے نوازا تھا اور رسولِ اکرم ﷺ کی خصوصی دعائیں اور تربیت بھی ان کو میسر تھی اور ان کی تعلیم بھی اسی انداز سے ہوئی تھی۔ ان کی ثقاہت، سنتِ نبویہ سے خصوصی لگاؤ، اُسوۂ نبوی کا تتبع ان کی اس عمل مبارک کے لئے موزونیت کا واضح ثبوت ہے۔ ان میں سرفہرست خلفاے راشدین کے علاوہ

① حضرت ابوہریرہؓ (م ۵۷ھ) ② حضرت عبداللہ بن عمرؓ (م ۷۵ھ)
③ حضرت انس بن مالکؓ (م ۹۳ھ) ④ حضرت عائشہ صدیقہؓ (م ۴۹ھ)
⑤ حضرت عبداللہ بن عباسؓ (م ۶۸ھ) ⑥ جابر بن عبداللہ انصاریؓ (م ۷۴ھ)
⑦ حضرت ابوسعید خدریؓ (م ۶۴ھ) ⑧ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (م ۳۲ھ)
⑨ حضرت عبداللہ بن عمروؓ (م ۶۵ھ) ہیں۔

صرف ان نو حضرات صحابہ کی روایات کی مجموعی تعداد اٹھارہ ہزار چار سو اڑسٹھ (۱۸۴۶۸) ہے۔ یہ احادیث کی مجموعی تعداد کے ایک ثلث سے بھی زیادہ حصہ ہے جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حفاظتِ حدیث کا عہدِ نبویؐ میں کس قدر اہتمام تھا۔ اس کے لئے یہ کہنا کہ تیسری صدی میں احادیث وضع کی گئی ہیں، محض احمقانہ اور جاہلانہ الزام ہے۔ ان میں سے بھی سب

www.KitaboSunnat.com

سے زیادہ تعداد حضرت ابوہریرہؓ کی مرویات کی ہے جو پانچ ہزار تین سو چوہتر (۵۳۷۴) ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہوا، ان احادیث کو ان کی بہ حالتِ اسلام زندگی پر تقسیم کریں تو روزانہ کی اوسط پانچ یا چھ احادیث بنتی ہیں جو قطعاً قابل تعجب نہیں ہیں، یعنی احادیث کی مجموعی تعداد بھی ایسی نہیں کہ اس پر تعجب ہو اور اصحابِ رسول کی انفرادی مرویات کی تعداد بھی غیر معقول نہیں۔ اس کے بعد وضع حدیث کے الزام کی کیا حقیقت رہ جاتی ہے!!

پھر ان کثیر الروایہ صحابہ کرامؓ کی سیر و سوانح اور شخصی اوصاف اور ذاتی محاسن پر نظر ڈالیں تو صحت وصداقتِ حدیث پر دل مزید اطمینان محسوس کرتا ہے۔ والحمد اللہ علی ذلك

انتہائی اختصار سے چند معروضات پیش خدمت ہیں، اس امید کے ساتھ کہ آپ صدقِ دل سے ان کی شخصیات کی خدمات کا مطالعہ کریں گے۔ ان شاء اللہ

❶ حضرت ابوہریرہؓ

سات ہجری، غزوۂ خیبر کے سال اسلام لائے۔ بڑے صالح و متقی، عابد و زاہد، شب زندہ دار اور روزے کا اہتمام کرنے والے تھے۔ نبی ﷺ کے ساتھ بڑی محبت کرتے تھے۔ ہمہ وقت صحبتِ نبوی میں رہتے تھے۔ سفر و حضر میں آپؐ کے ساتھ ہوتے۔ اصحابِ صفہ جو آنحضرت ﷺ کے تلامیذِ خاص تھے، ابوہریرہ ان میں سربرآوردہ تھے۔ علم کا شوق فراواں تھا، مال و متاعِ دنیا سے مکمل طور پر مستغنی تھے۔ اللہ پاک نے قناعت کی دولت سے نوازا ہوا تھا۔ صحبتِ نبویؐ کا پورا عرصہ (چار برس) ایک لمحہ بھی حصولِ علم سے غفلت نہیں برتی، پوری کوشش کرتے کہ کوئی حدیث سننے سے رہ نہ جائے۔

◉ صحیح بخاری و مسلم میں ان سے مروی ہے:

"قلت یارسول اللہ! أسمع منك أشیاء فلا أحفظها قال: «أبسط رداء ك» فبسطتُّه فحدَّثَ حدیثًا کثیرا فما نسیتُ شیئا حدثني به" (ترمذی:۳۸۳۵)

''میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسولؐ! میں آپ سے کئی باتیں سنتا ہوں مگر یاد نہیں رکھ پاتا، آپؐ نے فرمایا: اپنی چادر پھیلاؤ تو میں نے چادر پھیلا دی۔ پھر آپؐ نے مجھے بہت ساری احادیث بیان فرمائیں، آپؐ نے جو بیان فرمایا، پھر مجھے اس میں سے کچھ نہیں بھولا۔''

◉ ایک دن ابوہریرہؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! روزِ قیامت آپؐ کی شفاعت

www.KitaboSunnat.com

کی سعادت سب سے زیادہ کسے حاصل ہوگی؟ تو آپؐ نے فرمایا:

"لقد ظننت يا أبا هريرة أن لا يسألني عن هذا الحديث أحد أوّل منك لما رأيت من حرصك على الحديث، أسعد الناس بشفاعتي يوم القيامة من قال لا إله الا الله خالصًا من قلبه" (صحیح بخاری:۹۹)

''اے ابوہریرہؓ! تیرے علم حدیث کے شدید شوق کی وجہ سے مجھے یہ یقین تھا کہ تجھ سے پہلے اس حدیث کے بارے میں مجھ سے کوئی نہیں پوچھے گا۔ قیامت کے روز میری شفاعت کی سعادت سب سے زیادہ اسے حاصل ہوگی جس نے اخلاصِ قلب سے لا الہ الا اللہ کہا ہوگا۔''

◉ محمد بن عمارہ بن عمرو بن حزم ایک روز حضرت ابوہریرہؓ کی مجلس حدیث میں بیٹھے تو آخر میں نتیجہ نکالا کہ "فعرفت يومئذ أنه أحفظ الناس عن رسول الله ﷺ"

''اس دن مجھے معلوم ہوا کہ ابوہریرہؓ حدیثِ رسول اللہؐ کے سب لوگوں سے بڑھ کر حافظ ہیں۔'' (سير أعلام النبلاء:۲/۶۱۷)

اور خود ابوہریرہؓ کا بیان ہے:

"كنت أكثر مجالسة رسول الله ﷺ أحضر إذا غابوا وأحفظ إذا نسوا"

''میں آنحضرت ﷺ کی مجلس میں حاضری کا سب سے زیادہ اہتمام کرتا تھا۔ جب لوگ غائب ہوتے تو میں حاضر ہوتا اور جب لوگ بھول جاتے تو میں یاد رکھتا تھا۔'' (مسند احمد:۲/۲۷۴)

◉ حضرت زید بن ثابتؓ کے پاس ایک دن مسئلہ پوچھنے کے لئے ایک صاحب تشریف لائے۔ حضرت زید بن ثابتؓ نے کہا کہ حضرت ابوہریرہؓ کے پاس جایئے اور اس کی وجہ بھی بتائی کہ میں آپ کو ابوہریرہؓ کے پاس کیوں بھیج رہا ہوں۔ فرمانے لگے کہ ایک دن ہم مسجد میں بیٹھے تھے، ایک میں تھا، ایک اور دوسرے ابوہریرہؓ تھے۔ ہم ذکر واذکار کررہے تھے اور دعائیں مانگ رہے تھے، اتنے میں محمد رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور ہمارے پاس بیٹھ گئے۔ ہم محمد رسول اللہ ﷺ کو دیکھ کر ادباً خاموش ہوگئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا خاموش کیوں ہوگئے ہو؟ جو کام پہلے کررہے تھے، وہ جاری رکھو، ہم نے دعا شروع کردی۔ ہم دونوں دعائیں کررہے تھے اور نبی ﷺ آمین آمین کہہ رہے تھے۔ جب ہم دعا کرچکے تھے تو ابوہریرہؓ نے دعا کی۔ حضرت ابوہریرہؓ نے دولفظوں میں بڑی مختصر دعا کی: اے اللہ! میں تجھ سے وہ مانگتا ہوں جو تجھ سے ان دو ساتھیوں نے مانگا ہے۔ امام الانبیاء نے فرمایا: آمین! اور ساتھ کہا: "اللهم إني

www.KitaboSunnat.com

أسئلك علما لا ينسى" ایک اور دعا مانگتا ہوں کہ اے اللہ میں ایسے علم کا سوال کرتا ہوں کہ وہ بھولے نہ۔ امام الانبیاءﷺ نے فرمایا: آمین! زید بن ثابتؓ نے کہا: ہم نے عرض کیا اللہ کے رسولﷺ! ہم بھی یہ دعا مانگتے ہیں کہ اے اللہ ہمیں بھی ایسا علم حاصل ہو جو نہ بھولے۔ تو آپﷺ نے فرمایا: قد سبقكم بها الغلام الدوسي ایک دوسی نوجوان سبقت لے گیا ہے، اس نے مانگ لیا اور تم رہ گئے۔ (السنن الکبریٰ: ۵۸۳۹)

حضرت ابوہریرہؓ کے پاس احادیثِ نبویہ کا ایک بڑا مجموعہ لکھا ہوا بھی موجود تھا، جس میں سے اُنہوں نے ہمام بن منبہ یمنی کے لئے انتخاب کر کے ایک مختصر مجموعہ بھی لکھوایا تھا جو صحیحین میں مروی ہے۔ یہ مجموعہ اس سے پہلے مسند احمد بن حنبل اور مصنف عبدالرزاق میں ذکر ہو چکا ہے اور گذشتہ سالوں میں اس کا اصل نسخہ بھی تحقیق کے ساتھ شائع ہو چکا ہے۔

ابوہریرہؓ کی دیانت، امانت اور ثقاہت، نیکی و تدین اور زہد و تقویٰ، پھر شوقِ حصولِ علم اور صحبتِ نبوی کا اہتمام اور حفظ و کتابتِ حدیث اور درس و تدریس سے خصوصی شغف اور ان کے مجموعے کا بعینہٖ مل جانا یہ اس امر کے قطعی دلائل ہیں کہ ان کی مرویات محفوظ اور شک و شبہ سے بالا ہیں اور نہایت قابل اعتماد ہیں۔ ﴿فبأي حديث بعده يؤمنون﴾

❷ حضرت عبداللہ بن عمرؓ

آپ امیر المومنین حضرت عمر بن خطابؓ کے بیٹے تھے۔ بچپن میں ہی ایمان لے آئے تھے۔ گیارہ برس کی عمر میں اپنے والدِ گرامی کے ساتھ ہجرت کی۔ متعدد جہادی مہمات میں شرکت کی۔ اتباعِ سنت نبویہ میں آپؓ ضرب المثل ہیں۔ آنحضرتﷺ سے بے پناہ محبت تھی۔ آپؐ کا ذکر ہوتا تو آنسوؤں پر قابو نہ رہتا۔ اکثر حضورﷺ کی مجلس میں حاضر رہتے۔ غائب ہوتے تو دوسروں سے پوچھتے کہ آپؐ نے کیا فرمایا تھا۔ تذکرۃ الحفاظ میں ہے:

"كان ابن عمر حبر هذه الأمة" (۳۸/۱)

''ابن عمرؓ اس اُمت کے بڑے عالم تھے۔''

آنحضرتﷺ سے براہِ راست بھی روایات حاصل کیں اور حضرات ابوبکر، عثمان، ابوذرؓ غفاری، معاذ اور ام المومنین عائشہ صدیقہؓ سے بھی احادیث حاصل کیں۔ صحابہ و تابعین میں ان کے تلامذہ کی بڑی تعداد پائی جاتی ہے۔ عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے:

www.KitaboSunnat.com

"أملك شباب قريش لنفسه عن الدنيا عبدالله بن عمر" (سیر اعلام النبلا ۳/۲۱۱)
''قریش کے نوجوانوں میں دنیا طلبی کے سلسلے میں اپنے نفس پر سب سے زیادہ قابو عبداللہ بن عمرؓ کو تھا۔''

ان کی ہمشیرہ حضرت حفصہؓ رسولِ اکرم ﷺ کے حبالہ عقد میں تھیں، اس لئے اُنہیں صحبت نبوی کا فیض بکثرت حاصل تھا۔ اسلام بھی جلد قبول کرلیا، علم کا شغف بھی تھا، اس لئے کثیر الروایۃ صحابہ میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کی مرویات کی تعداد دو ہزار چھ سو تیس (۲۶۳۰) ہے۔ ان کے پاس ایک مکتوب مجموعہ حدیث بھی موجود تھا جس کی اکثر مراجعت کرتے رہتے تھے۔

۳ انس بن مالکؓ

یہ رسول اللہ ﷺ کے خادمِ خاص تھے۔ ان کی والدۂ محترمہ اُمّ سلیم بنت ملحان نے اپنے اس خوش بخت لختِ جگر کو رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت کے لئے انؐ کے حضور پیش کردیا تھا۔ جسے آپؐ نے قبول فرما لیا تھا۔ اس طرح اُنہوں نے خاندانِ نبوی ہی میں پرورش پائی، آنحضرت ﷺ اُنہیں نہایت عزیز رکھتے تھے۔ اُسوۂ رسول ﷺ کا جو مشاہدہ ان کے حصے میں آیا، وہ شاید ہی کسی کو نصیب ہوا ہو۔ بڑے ہی نیک دل زاہد و عابد تھے۔ نماز کا بڑا اہتمام فرماتے تھے۔ حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ

"ما رأيت أحدا أشبه صلاة برسول الله من ابن أم سليم"
''میں نے اُمّ سلیم کے بیٹے سے بڑھ کر آنحضرت ﷺ کی نماز کے مشابہ نماز پڑھنے والا کوئی نہیں دیکھا۔'' (سنن ابن ماجہ: ۸۲۷، مجمع الزوائد: ۲/۱۳۵)

ان کی مرویات کی تعداد دو ہزار دو سو چھیاسی (۲۲۸۶) ہے۔

آنحضرت ﷺ سے براہِ راست روایت کرنے کے علاوہ اُنہوں نے حضرات ابوبکرؓ، عمرؓ، ابن مسعودؓ، فاطمہؓ الزہرا، عبداللہؓ بن رواحہ اور عبدالرحمٰنؓ بن عوف سے احادیث روایت کی ہیں۔ ان کے پاس احادیث پر مشتمل ایک مکتوب صحیفہ تھا۔ وہ فرماتے تھے کہ یہ احادیث میں نے حضور ﷺ سے سن کر لکھی ہیں اور انہیں حضورؐ کے سامنے پیش بھی کیا ہے۔ (تاریخ بغداد: ۸/۲۵۹)

۴ اُمّ المؤمنینؓ عائشہ صدیقہ

نبی مکرم ﷺ کے رفیقِ خاص ابوبکر صدیقؓ کی بیٹی اور آنحضرت ﷺ کی محبوب ترین اہلیہ

www.KitaboSunnat.com

تھیں۔ اُنہوں نے نبی ﷺ کی رفاقت میں آٹھ برس پانچ ماہ بسر کئے۔ آپؐ کے پاس ہی ان کی علمی وعملی تربیت ہوئی۔ بلا کی ذہین وفطین تھیں، حصولِ علم کا جذبہ صادقہ تھا، صحابہ کرامؓ میں سب سے بڑھ کر نقاد تھیں۔ عورتوں کے مسائل میں اُنہیں سند کا درجہ حاصل تھا۔ نہایت صالحہ، تقیہ اور سخی خاتون تھیں، انؓ کی عصمت کی شہادت قرآن میں نازل ہوئی۔ صحابیات میں سب سے زیادہ مرویات انہی سے منقول ہیں۔ بڑے فقہا میں شمار ہوتی ہیں۔ جلیل القدر صحابہ کرامؓ بھی ان کے علم وفضل اور عظمت وفضیلت کے معترف تھے۔

تذکرۃ الحفاظ میں ان کے بارے میں منقول ہے:

"كانت عائشة أعلم الناس يسألها أكابر الصحابة" (تذکرۃ:۲۸/۱، تہذیب:۴۳۵/۱۲)

''عائشہ سب سے بڑھ کر عالم تھیں۔ بڑے صحابہؓ بھی ان سے مسائل دریافت کرتے تھے۔''

حضرت ابوموسیٰؓ کا بیان ہے:

"ما أشكل علينا أصحاب محمد ﷺ حديث قط فسألنا عائشة إلا وجدنا عندها منه علمًا" (سير أعلام النبلاء: ۱۷۹/۲ وتذکرہ:۲۸/۱)

''ہم اصحابِؓ رسول حدیث کے بارے میں کبھی کوئی اشکال محسوس کرتے، تو عائشہ صدیقہ سے دریافت کرتے تو اُنہیں ضرور اس کا علم ہوتا۔''

اُنہوں نے آنحضرت ﷺ سے بھی احادیث روایت کی ہیں۔ اس کے علاوہ اپنے والد ابوبکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ، سیدہ فاطمۃ الزہراؓ، سعد بن ابی وقاصؓ وغیرہ سے بھی ان کی مرویات ہیں۔ ان سے روایت کرنے والوں میں تابعین کی کثیر تعداد کے علاوہ حضرت عمرؓ، ابن عمرؓ، ابوموسیٰؓ اور ابن عباسؓ جیسے لوگوں کے نام معروف ہیں۔ ان کی مرویات کی تعداد دو ہزار دوسو دس (۲۲۱۰) ہے۔ ان کے بھانجے عروۃ بن زبیرؓ سے منقول ہے کہ وہ حضرت عائشہؓ کی اجازت سے ان کی احادیث لکھتے تھے۔ پھر دوسرے صحابہؓ کی روایات سے ان کا مقابلہ کرتے تھے، پھر اپنا مجموعہ مرتب کرتے تھے جسے حضرت عائشہؓ نے پسند فرمایا اور اس کی اجازت بھی دی۔

۵ عبداللہ بن عباسؓ

رسولِ اکرم ﷺ کے چچا زاد بھائی اور آپ کی اہلیہ محترمہ حضرت میمونہؓ کے بھانجے تھے۔ آنحضرت ﷺ کی وفات کے وقت ان کی عمر صرف ۱۳ برس تھی، آنحضرت ﷺ نے ان کے

www.KitaboSunnat.com

لئے خصوصی دعا فرمائی تھی: «اللهم علِّمه الحكمة» (جامع ترمذی: ۳۸۲۴)

''اے اللہ! اس کو علم وحکمت سکھا دے۔''

آنحضرت ﷺ کے ساتھ قرابت کی بدولت اُنہیں حصولِ علم کے بڑے مواقع میسر آئے۔ شوقِ طلب بھی فراواں تھا۔ ترجمان القرآن، حبر الأمة اور بحر کے القاب سے معروف تھے۔ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد اصحابِ رسول سے اُنہوں نے بڑا علم حاصل کیا۔ اساتذہ کا بے حد احترام کرتے تھے۔ حصولِ علم کے لئے کسی صحابی کی خدمت میں جاتے اور وہ سو رہا ہوتا تو اسے جگانے کی بجائے انتظار کرتے رہتے۔ ان کے بارے میں عبداللہ بن عمرؓ سے منقول ہے۔ "فإنه أعلم من بقي بما أنزل الله على محمد ﷺ" (الاصابہ ۳/۳۲۴)

''وہ محمد ﷺ پر نازل ہونے والے علم کے سب سے زیادہ عالم تھے۔''

ان کی مجلس علم و تدریس بڑی باوقار ہوتی تھیں، جس میں قرآن، حدیث، فقہ اور شعر و ادب کا تذکرہ رہتا اور تقویٰ اور خشیتِ الٰہی کا بھی ان پر نمایاں اثر ہوتا تھا۔ بڑی ہی جامع العلم والعمل شخصیت کے مالک تھے۔ حضرت عمرؓ ان کے علم پر اعتماد کرتے اور اُنہیں بڑی اہمیت دیتے تھے۔ ان کے اساتذہ اور تلامذہ کی فہرست بڑی طویل ہے۔ ان کی مرویات کی تعداد ایک ہزار چھ سو ساٹھ (۱۶۶۰) ہے۔ ان کے پاس بھی احادیثِ نبویہ کا ایک لکھا ہوا مجموعہ موجود تھا۔ (طبقات ابن سعد ۵/۲۹۳)

۶ جابر بن عبداللہ انصاریؓ

اپنے زمانے میں مدینہ طیبہ کے مفتی شمار ہوتے تھے۔ ان ستر صحابہ میں شامل تھے جو بیعت عقبہ میں حضور سے ملے تھے۔ بدر واُحد کے علاوہ تمام غزوات میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ شریک ہوئے۔ رسولِ اکرم ﷺ کے ساتھ بے حد محبت کرتے اور آپ ﷺ بھی ان سے محبت کرتے تھے۔ مقروض تھے، نبی ﷺ نے از راہِ شفقت ان کا قرض خود ادا کیا تھا، تنگ دستی کے باوجود حصولِ علم میں کوتاہی نہیں کی۔ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد اصحابِ رسول سے بھی کسبِ فیض کیا۔ ابوبکرؓ، عمرؓ، علیؓ، ابوعبیدہؓ، طلحہؓ، معاذ بن جبلؓ، ابوہریرہؓ اور ابوسعیدؓ سے مرویات لیں۔ ان کی احادیث کی تعداد ایک ہزار پانچ سو چالیس (۱۵۴۰) ہے۔ ان کا مکتوب صحیفہ حدیث بہت مشہور ہے جسے امام مسلم نے کتاب الحج میں نقل کیا ہے۔ مشہور تابعی قتادہ بن دعامہ

www.KitaboSunnat.com

السدوسی کہا کرتے تھے:

"لأنا لصحيفة جابر أحفظ مني لسورة البقرة" (التاریخ الکبیر:۱۸۶/۴)

''مجھے جابر بن عبداللہ کا صحیفہ سورہ بقرہ سے بھی زیادہ یاد ہے۔''

۷ حضرت ابوسعید خدریؓ

بڑے ہی عالم باعمل صحابی رسول تھے۔ان چند صحابہ میں سے تھے جنہوں نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ خصوصی عہد و پیمان کیا تھا کہ دینی اُمور میں وہ کسی ملامت کی پرواہ نہیں کریں گے۔ اُنہوں نے رسول اکرم ﷺ کے علاوہ خلفاے اربعہ اور زید بن ثابتؓ سے بھی اکتسابِ فیض کیا۔ان کی مرویات کی تعداد ایک ہزار ایک سوستر (۱۱۷۰) ہے۔

۸ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

بڑے امین اور دیانت دار تھے۔قبل از اسلام بکریاں چرایا کرتے تھے۔ یہی بکریاں ان کے اسلام لانے کا باعث بنیں۔ ہجرتِ حبشہ سے بھی سرفراز ہوئے اور ہجرتِ مدینہ سے بھی۔ قدیم الاسلام تھے۔آنحضرت ﷺ کی طویل صحبت اُنہیں میسر آئی۔تمام غزوات میں شریک ہوئے،غزوۂ بدر میں ابوجہل کا خاتمہ آپ ہی کے ہاتھوں ہوا۔(صحیح بخاری:۳۹۶۳)

متعدد مناصب پر کام کیا۔ بالآخر عزلت نشینی اختیار کرلی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے ان کی حصولِ علم کی درخواست پر بشارت دی تھی:"إنك لغلام معلم" (الاصابہ:۳۹۱/۲)

''تم پڑھے لکھے بچے ہو۔''

روایتِ حدیث میں بے حد محتاط تھے اور دوسروں کو بھی احتیاط کا درس دیتے تھے۔آدابِ روایت کا خصوصی خیال کرتے تھے۔ان کے پاس بھی احادیث کا مکتوب مجموعہ تھا:

"عن معن قال أخرج لي عبد الرحمن بن عبد الله بن مسعود كتابا وحلف لي أنه بخط أبيه" (جامع بیان العلم:۷۲/۱)

''مَعن سے مروی ہے کہ عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن مسعود نے مجھے ایک کتاب نکال کر دکھائی اور قسم کھا کر کہا کہ وہ ان کے والد کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے۔''

ایک آدمی آپؓ کے پاس آیا آپ کے چہرے کو دیکھتے ہی کہنے لگا،اُنہیں دیکھ کر خوش ہوتے اور فرماتے: «كيف ملئ علما كيف ملئ علما»

www.KitaboSunnat.com

''یہ علم سے بھرا ہوا ظرف ہے۔'' (مستدرک، مناقب ابن مسعود ۳/۳۱۸)

روایتِ حدیث میں شدید احتیاط کے باوجود ان کی مرویات کی تعداد آٹھ سو اڑتالیس (۸۴۸) ہے۔

۹ عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ

اپنے والد سے قبل اسلام قبول کیا، احسان کی زندگی بسر کرتے تھے۔ ان کے والد نے آنحضرت ﷺ کے پاس ان کے راہبانہ طرزِ عمل کی شکایت بھی کی تھی۔ اکثر دربارِ رسالت میں حاضر رہتے اور جو کچھ آنحضرت ﷺ سے سنتے، اسے لکھ لیتے۔ آپؐ نے اُنہیں اس کی صریح اجازت بھی دی تھی۔ حضرت ابوہریرہؓ کو ان پر رشک بھی تھا اور اعتراف بھی کرتے کہ ان کی احادیث مجھ سے بھی زیادہ تھیں، اس لئے کہ وہ لکھ لیتے اور میں صرف یاد کرتا تھا۔

صحابہ کرامؓ میں سب سے پہلے حدیث کے مدوّن و کاتب ہیں۔ ان کا الصحیفة الصادقة بہت مشہور و مستند تھا۔ مسائل دریافت کرنے پر اس کی مراجعت کرکے جواب دیا کرتے تھے۔ ان کا حلقہ درس بڑا وسیع تھا اور اسے بین الاقوامی شہرت حاصل تھی۔ اہل بصرہ نے خصوصاً ان سے بہت کسبِ فیض کیا۔ ان کی مرویات کی تعداد سات سو پچاس (۷۵۰) ہے۔ بعد میں سیاسی اُمور میں مشغول ہونے کی وجہ سے انکی سند سے زیادہ احادیث نشر نہیں ہوسکیں۔

ان تصریحات سے واضح ہوگیا ہے کہ عہدِ صحابہ میں سرکاری اور نجی دونوں سطح پر حفاظت حدیث کے لئے بھرپور اہتمام تھا جو بعد میں بھی باقاعدہ فن کی حیثیت سے اُصول وضوابط کے تحت جاری رہا۔ حتیٰ کہ حدیث نبوی بڑے اسفار کے ذریعے حاصل کی جاتی رہی اور آخرکار کتب حدیث میں مدون ہوکر ہر قسم کے شبہات سے بالا ہوگئی۔ الحمد لله على ذلك

اوپر جن صحابہؓ کا ذکر ہوا، یہ وہ عظیم لوگ ہیں جن کی کثرتِ روایت معروف ہے۔ انہی کے ذریعے زیادہ روایات اُمت کے پاس پہنچی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک شخص اس قابل ہے کہ طلبائے علم خصوصاً اور عام اہل اسلام عموماً ان کی سیر وسوانح کو اپنے لئے مشعل راہ بنائیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابِ مقدس، قرآنِ کریم اور اپنے رسولِ کریم ﷺ کی حدیث وسنت کی حفاظت جن پاک طینت لوگوں سے کروائی، ان کی ظاہری و باطنی صفائی کی شہادت خود آسمان سے نازل فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کو صحابہ کرامؓ کی محبت سے منور فرمائے! آمین

www.KitaboSunnat.com

دارالافتاء حضرۃ العلام حافظ عبداللہ محدثؒ روپڑی

اولاد کو تحفہ وغیرہ دینے کے شرعی احکام

ماں باپ اپنی زندگی میں اپنی اولاد کو کئی چیزیں عنایت کرجاتے ہیں، ایسے ہی اُنہیں کسی بیٹے یا بیٹی سے طبعاً زیادہ محبت بھی ہوتی ہے لیکن اسلامی شریعت نے اس سلسلے میں چند ایک اُصول مقرر فرمائے ہیں جن کو پیش نظر رکھنا مسلم والدین کے لئے ضروری ہے۔ اس نوعیت کے مسائل مسلم معاشرہ میں اکثر وبیشتر پیش آتے رہتے ہیں، زیر نظر مضمون میں ایسے ہی احکام سوال وجواب کی صورت میں بیان ہوئے ہیں۔ واضح رہے کہ ھبہ کا لفظ عربی زبان میں کسی شے کو تحفۃً دینا، گفٹ کردینا، عطیہ دینا وغیرہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ بعض جزوی اصلاحات، حوالہ جات اور ترتیب کے بعد یہ مضمون ہدیۂ قارئین ہے۔ ح م

اولاد میں برابری کا حکم کس نوعیت کے اُمور میں ہے؟

سوال ❶: حدیثِ نبویؐ کی رو سے اولاد کے درمیان مساوات کرنا چاہئے۔ اگر والدین اولاد کا نکاح کریں تو عموماً زیورات، پارچہ جات وغیرہ میں والدین کی طرف سے کمی بیشی ہوجاتی ہے۔ اگر ایک بیٹے کو تعلیم میں لگایا تو اس کے اخراجات کے متحمل بھی والدین ہی ہوتے ہیں، حالانکہ بعض اوقات دوسری اولاد پر اتنا خرچ نہیں کیا جاتا۔ اسی طرح کسی کو مکان لے کر دیا کسی کو کچھ اور کسی کو کچھ، اور مساوات کا لحاظ نہیں رکھا گیا، تو سوال یہ ہے کہ

شریعت نے اولاد کو دیے جانے والے ہر عطیہ میں مساوات ضروری رکھی ہے۔ اگر یہی بات ہے تو پھر یہ امر انسان کی طاقت سے باہر ہے اور ارشادِ الٰہی ہے: ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ اگر ایسا نہیں تو پھر فرمانِ نبویؐ «لا أشهد على جور» (میں ظلم پر گواہ نہیں بن سکتا) جو مسلم کی حدیث میں وارد ہے، اس کے کیا معنی ہوئے؟

جواب: اکٹھے خرچ میں تو مساوات بیگانوں میں نہیں ہوسکتی، ایک گھر میں کس طرح ہوگی؟ مثلاً سفر میں دو شخص اپنا خرچ ایک جگہ کریں تو ضرور کمی بیشی ہوگی۔ ایک وقت ایک کو بھوک

www.KitaboSunnat.com

پیاس نہیں ہوتی تو اس کی خاطر دوسرا بھوکا نہیں رہ سکتا، کبھی ایک شخص ایک روٹی کھاتا ہے تو دوسرا دو یا تین کھا جاتا ہے۔ اسی طرح بیماری وغیرہ میں بھی پیسے کم و بیش خرچ ہوتے ہیں، سب سے احتیاط والی چیز یتیموں کا مال ہے، جس کے متعلق قرآنِ مجید میں سخت وعید بھی آئی ہے کہ جو یتیموں کا مال ظلم سے کھاتے ہیں، وہ اپنے پیٹوں میں آگ ڈالتے ہیں۔ اسی وجہ سے صحابہؓ نے یتیموں کا کھانا دانہ الگ کر دیا مگر جب اس کا نبھنا مشکل ہوگیا تو ارشادِ خداوندی ہوا: ﴿وَإِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ﴾ (البقرۃ:۲۰۰) ''یعنی اگر ان کو اپنے ساتھ ملا لو تو تمہارے بھائی ہیں اور اللہ تعالیٰ فسادی اور مصلح کو خوب پہچانتا ہے۔'' اس سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اکٹھے خرچ میں مساوات کی کوئی صورت نہیں بلکہ ہر ایک کی ضرورت کے بقدر خرچ ہوتا ہے، کوئی کھانا زیادہ کھاتا ہے، کوئی کم اور کسی کے وجود پر کپڑے کا خرچ کم ہوتا ہے تو کسی کے وجود پر زیادہ، کیونکہ ان کے قد وقامت بھی برابر نہیں ہوتے۔ کسی کا وجود کمزور ہے، اس کو سردی میں زیادہ گرم کپڑے کی ضرورت ہے تو کسی کو ہلکا کافی ہے۔ کسی کے وجود پر کپڑا جلدی پھٹتا ہے اور وہ سال بھر میں کئی جوڑے چاہتا ہے، کوئی کم، بالخصوص لڑکیوں کے کپڑوں پر زیادہ خرچ ہوتا ہے بلکہ ساتھ ان کے زیور کا خرچ بھی ہے، جیسا کہ قرآنِ مجید میں بھی ہے: ﴿أَوَ مَنْ يُنَشَّأُ فِي الْحِلْيَةِ﴾ (الزخرف:۱۸) ''لڑکیوں کی پرورش زیورات میں ہوتی ہے۔'' پھر بیماریوں وغیرہ کے موقع پر دواؤں پر اور حکیموں، ڈاکٹروں کی فیسوں میں ایک انداز پر خرچ نہیں ہوتا۔ اس طرح بیاہ شادی پر مختلف خرچ ہوتا ہے، کیونکہ لڑکی بیگانی ہوتی ہے، لڑکے والے جو چاہتے ہیں، خرچ کراتے ہیں۔ اس طرح لڑکیوں کی شادی میں ایک قسم کے لڑکے نہیں ملتے اور نہ لڑکیاں ایک صفت، ایک لیاقت کی ہوتی ہیں تو پھر خرچ میں برابری کی کیا صورت ہے؟ اس طرح اولاد کی تربیت میں بھی تفاوت ہوتا ہے۔ ان کی لیاقت، استعداد اور ذہانت وطبیعت کا لحاظ کرتے ہوئے ان کو مختلف ہنر سکھائے جاتے ہیں۔ کسی کو طبابت، ڈاکٹری، کسی کو انجینئرنگ، کسی کو تجارت اور کسی کو عالم دین بنا کر خادمِ اسلام بنا دیا جاتا ہے اور لڑکیوں کو بھی ان کے حسبِ حال تعلیم دی جاتی ہے تو ان کے خرچ واخراجات برابر کس طرح ہو سکتے ہیں؟

www.KitaboSunnat.com

یہی صورتحال بیویوں کے بارے میں بھی ہے کہ ان میں بھی برابری کا حکم ہے مگر اس قسم کے اُمور میں ان کے درمیان بھی تفاوت ہوجاتا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی بیویوں کے مہر مختلف تھے۔ ولیمے مختلف اور ان سے بات چیت مختلف تھی۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کو سفر میں ساتھ لے گئے مگر رات کو اپنی سواری حضرت عائشہؓ کی سواری کے ساتھ رکھتے اور انہی سے بات چیت کرتے۔ حضرت حفصہؓ کو اس بات سے بڑی غیرت محسوس ہوئی۔ چنانچہ یہ لمبا قصہ صحیح بخاری میں باب القرعة بين النساء إذا أراد سفرًا میں موجود ہے۔ اس طرح محبت میں بھی برابری نہیں ہوسکتی کیونکہ یہ اختیاری شے نہیں بلکہ طبعی ہے۔ ایسے ہی جب تک طبعی میلان نہ ہو مباشرت وغیرہ بھی نہیں ہوسکتی۔ البتہ ہر گھر میں باری باری جانا اختیاری شے ہے، اس لئے رسول اللہ ﷺ باری تقسیم کرنے کے بعد فرماتے «اللهم هذه قسمتي فيما أملك فلا تلمني فيما تملك و لا أملك» (ترمذی:۱۱۴۰)

''یا اللہ! یہ میری تقسیم ہے اس شے میں جس کا میں اختیار رکھتا ہوں، پس جس کا تو اختیار رکھتا ہے اور میں نہیں رکھتا، اس میں مجھے ملامت نہ فرما۔''

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حوائج ضروریات اور تربیت میں برابری ناممکن ہے بلکہ ان میں وہی یتیموں والا اُصول مدنظر رکھنا چاہئے یعنی ﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ﴾ (البقرۃ:۲۲۰) ''خدا مفسد کو اصلاح کرنے والے سے جانتا ہے۔'' جس کا مطلب یہ ہے کہ اپنی طرف سے ہر ایک کی اصلاح اور بھلائی کی کوشش ہونی چاہئے، آگے ان کے اور والدین کے حسبِ حال کسی بات میں تفاوت ہوجائے تو اس پر مؤاخذہ نہیں۔ البتہ حوائج اور ضروریات کے علاوہ زائد عطیہ میں ضرور برابری چاہئے۔ چنانچہ بخاری و مسلم کی حدیث میں جو نعمانؓ بن بشیر سے مروی ہے کہ

"سألت أمي أبي بعض الموهبة لي من ماله، ثم بدا له موهبها لي فقالت: لا أرضى حتى تشهد النبي فأخذ بيدي وأنا غلام فأتى بي النبي فقال: إن أمه بنت رواحة سألتني بعض الموهبة لهذا قال: «ألك ولد سواه؟» قال:نعم قال: فأراه قال:«لا أشهد على جور» " (بخاری:۲۶۵۰،مسلم:۱۶۲۳)

آپ کے فرمان «لا أشهد على جُور» ''یعنی میں ظلم پر شہادت نہیں دیتا'' میں اسی

www.KitaboSunnat.com

قسم کے عطیہ کا ذکر ہے اور ایک حدیث میں تصریح آتی ہے کہ سوّوا بين أولادكم في العطية (بیہقی:۱۷۷/۶) چنانچہ فتح الباری کے حوالہ سے اس کا ذکر آگے آتا ہے، یعنی ضروریات کے علاوہ کوئی عطیہ دینا ہو تو اس میں برابری ضروری ہے۔ اسی بنا پر علما نے لکھا ہے کہ اگر کوئی سبب ایسا پیدا ہوجائے جس سے بعض اولاد کو عطیہ دینا پڑے تو اس صورت میں بعض کو دینے میں بھی کوئی حرج نہیں، مثلاً کوئی دائم المرض یا مقروض ہو تو اس صورت میں ان کو خاص بھی کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری (۵۴۶/۱۰) میں اس کی تصریح کی ہے اور علامہ شوکانیؒ نے نیل الاوطار (۲۴۲/۵) میں بھی ذکر کیا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ یہ درحقیقت عطیہ نہیں بلکہ اولاد کی ضروریات میں داخل ہے کیونکہ دائم المرض اور مقروض ہونا ایک بڑی ضرورت اور مجبوری ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ضروریات تو کجا، اس عطیہ میں بھی برابری نہیں جو ضروریات میں داخل ہو۔

ہبہ کی برابری میں بیٹوں اور بیٹیوں میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟

سوال ❷: اولاد کو دیے جانے والے تحفہ میں مساوات ضروری ہے یا مثل وراثت لڑکی کا حصہ لڑکے کے نصف ہوگا؟

جواب: عطیہ میں بیٹے بیٹیوں میں برابری کا حکم ہے یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جس حدیث میں «لا أشهد على جور» فرمایا ہے، اس میں یہ بھی ہے أكلّ ولدك نحلتَ مثله (صحیح مسلم:۱۶۲۳) یعنی نعمان بن بشیرؓ کہتے ہیں: جب میرے والد نے مجھے ایک غلام ہبہ کر کے رسول اللہ ﷺ کو اس پر گواہ بنانا چاہا تو آپؐ نے فرمایا: ''کیا اپنی تمام اولاد کو تو نے اس کے مثل ہبہ کیا ہے؟'' میرے والد نے کہا: نہیں۔ تو آپ نے فرمایا: اس ہبہ سے رجوع کر لے اور ایک روایت میں ہے کہ کیا تو نے اپنی باقی اولاد کو بھی اس کی مثل دیا ہے؟ کہا: نہیں، تو فرمایا: اللہ سے ڈرو اور اولاد میں عدل کرو۔ ان الفاظ ''اس کے مثل ہبہ کیا ہے یا اس کی مثل دیا ہے؟'' سے معلوم ہوتا کہ اس بارے میں ذکور واُناث میں کوئی فرق نہیں کیونکہ اولاد کا لفظ لڑکے اور لڑکیوں سب کو شامل ہے۔ اور اس حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں: قال «أيسرّك أن يكونوا إليك في البرّ سواء؟» قال بلى قال: «فلا إذًا»

www.KitaboSunnat.com

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تجھے یہ بات پسند ہے کہ تیری اولاد تیرے ساتھ برابر نیکی کرے؟ کہا: ہاں تو آپؐ نے فرمایا: پس میں اس ہبہ پر گواہ نہیں بن سکتا۔'' (ایضاً)

ان الفاظ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ تحفہ/ ہبہ وغیرہ میں لڑکے اور لڑکیوں میں فرق نہیں، کیونکہ عموماً والدین چاہتے ہیں کہ ہماری اولاد ہمارے ساتھ برابر نیکی کرے، خواہ وہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں۔ پس ترجیح اسی کو ہے کہ اس بارے میں لڑکے اور لڑکیوں میں برابری کی جائے۔ مذکورہ حدیث کی بعض روایتوں میں اگرچہ اولاد کے عام لفظ کی جگہ بیٹوں کا لفظ بھی آیا ہے مگر حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری (۵۳۹/۱۰) میں کہا ہے کہ اگر صرف لڑکے ہی ہوں اور اگر لڑکے لڑکیاں دونوں ہوں تو پھر لڑکوں کا ذکر محض غلبہ کی بنا پر ہے، اس کے بعد حافظ ابن حجرؒ نے بحوالہ ابن سعدؒ، نعمانؓ کے والد کی ایک بیٹی کا بھی تذکرہ کیا ہے جس کا نام اُبیّہ ہے جس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ جن روایتوں میں لڑکوں کا ذکر ہے وہ محض غلبہ واکثریت کی بنا پر ہے جیسے والد اور والدہ، دونوں کو والدین ہی کہہ دیتے ہیں اور حافظ ابن حجرؒ نے یہ بھی کہا ہے کہ حدیث میں تسویہ (برابری کرنے کا حکم) اسی امر کی طرف شہادت دیتا ہے کہ لڑکے لڑکیوں میں فرق نہیں، پھر اس کی تائید میں ایک روایت بھی ذکر کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: «سووا بين أولادكم في العطية فلو كنت مفضلا أحدا لفضلت النساء» (بیہقی: ۱۷۷/۶) یعنی ''اولاد کو عطیہ دینے میں برابری کرو۔ پس اگر میں کسی کو فضیلت دیتا تو عورتوں کو دیتا۔'' اس حدیث کی اسناد میں اگرچہ علامہ شوکانی نے نیل الاوطار (۲۴۲/۵) میں سعید بن یوسف نامی راوی ضعیف بتایا ہے مگر حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں: وإسناده حسن یعنی اس کی اسناد حسن ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ معمولی ضعف ہوگا جس سے حدیث صحت کے درجہ سے نکل کر حسن کے درجہ کو پہنچ گئی، مثلاً حافظہ میں معمولی نقص ہوگا وغیرہ۔ بہرصورت اس حدیث سے تائید ضرور ہوتی ہے۔ پس ترجیح اسی کو ہے کہ عطیہ میں لڑکے اور لڑکیوں میں برابری کی جائے۔

نوٹ: اس حدیث سے اس بات کی بھی تائید ہوتی ہے کہ اولاد میں ضروریات اور حوائج کے اندر برابری کا حکم نہیں بلکہ عطیہ میں برابری کا حکم ہے، جیسا کہ اوپر تحقیق ہوچکی ہے کیونکہ

www.KitaboSunnat.com

اس حدیث میں صراحت موجود ہے کہ اولاد میں عطیہ کے اندر برابری کرو۔

اپنا تمام ترکہ انسان کس مرض میں ہبہ کرسکتا ہے؟

سوال ۳: لڑکا مشرک، بدعتی اور بدقماش ہے جو اپنے باپ کا نافرمان ہے۔ بیوی بھی لڑکے کے ہم اوصاف ہے، بغرضِ طلاق اس کو بہن کہہ کر الگ بھی کیا ہوا ہے۔لڑکی کو ترکہ کے حصے سے دو ہزار روپیہ دے دیا ہوا ہے، اب زید کا خیال ہے کہ میرے بعد اگر جائیداد ورثا کو ملی تو وہ حرام راستہ پر جائے گی۔ زید چاہتا ہے کہ اپنی جائیداد منقولہ وغیر منقولہ کسی اسلامی ادارہ کو ہبہ کرجائے، کیا یہ جائز ہے؟

جواب: صورتِ مسئولہ میں بیوی کی عدت پوری ہوچکی ہے، اس لئے اب وہ بیوی نہیں رہی۔ اب اس کا کوئی حق نہیں اور بیٹا مشرک ہے اور مشرک کافر ہے اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا۔ البتہ لڑکی وارث ہوسکتی ہے، اگرچہ اس کو دو ہزار روپیہ دے کر الگ کردیا ہے لیکن اس سے اس کی وراثت کا حق منقطع نہیں ہوتا کیونکہ وراثت موت کے وقت ہوتی ہے، اگر موت کے وقت زید کے پاس کچھ مال ہوگا تو لڑکی وارث ہوگی اور اگر موت سے پہلے صحت اور تندرستی میں زید سارا مال کسی ادارہ وغیرہ کو دے دے تو اس صورت میں لڑکی کا کوئی حق نہیں کیونکہ اس کی زید کو شرعاً اجازت ہے، جیسے مشہور ہے کہ حضرت عمرؓ نے فی سبیل اللہ نصف مال دیا اور حضرت ابوبکرؓ نے سارا مال دیا۔ رہا بیماری میں دینا تو اس کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ بیماری لمبی ہو جس میں موت کا واقع ہونا کم ہوتا ہے، جیسے دمہ، کھانسی، بواسیر وغیرہ جو عمر بھر ساتھ رہتی ہیں اور کچھ علاج معالجہ سے صحت بھی ہوجاتی ہے تو ایسا بیمار تندرست کے حکم میں ہی ہے کیونکہ عموماً تھوڑا بہت انسان بیمار رہتا ہی ہے، جیسا کہ حضرت ابوبکرؓ اس زہر سے فوت ہوئے جو ہجرت کے موقعہ پر غارِ ثور میں کسی شے کے کاٹنے سے جسم میں سرایت کرگیا تھا۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ اسی زہر سے فوت ہوئے جو ۷ ہجری میں خیبر کے موقع پر یہود نے دعوت کے بہانے سے بکری کے گوشت میں آپ کو کھلا دیا تھا۔ آپ ﷺ کے تالو کا گوشت جس کو پنجابی میں 'کامی' کہتے ہیں، اس زہر کے اثر سے سیاہ پڑ گئی تھی۔ حضرت عائشہؓ کو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہمیشہ مجھے اس سے دُکھ رہتا ہے اور وفات کے وقت فرمایا کہ اب اس زہر کے اثر سے

www.KitaboSunnat.com

میری شہ رگ کٹ گئی ہے۔ اس قسم کے واقعات سے ثابت ہوا کہ لمبی بیماری تندرستی کے حکم میں ہے، ورنہ حضرت ابوبکرؓ سارا مال دیتے اور نہ رسول اللہ ﷺ قبول فرماتے۔

اور اگر خطرناک بیماری ہو جس میں عموماً موت واقع ہو جاتی ہے تو اس کی پھر دو حالتیں ہیں ایک یہ کہ اس کے بعد صحت ہو جائے تو اس بیماری کے اندر تصرفات تندرستی والا ہی حکم رکھتے ہیں اور اگر اس بیماری میں موت واقع ہوگئی تو یہ مرض الموت ہے اور مرض الموت کے تصرفات وصیت کا حکم رکھتے ہیں جو تہائی مال تک ہی جاری ہوسکتی ہے چنانچہ تلخیص الحبیر اور مُحلّی ابن حزم وغیرہ میں لکھا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عائشہؓ کو باغ کی کھجوریں ہبہ کیں حضرت عائشہؓ سے کسی وجہ سے کاٹنے میں دیر ہوگئی۔ اسی اثنا میں حضرت ابوبکرؓ مرض الموت سے بیمار ہوگئے جس میں موت کے آثار ظاہر ہوگئے، چونکہ ہبہ میں قبضہ شرط ہے اور بغیر قبضہ کے ہبہ نہیں ہوتا اس لئے حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: اے بیٹی! اگر تو میری بیماری سے پہلے قبضہ کرلیتی تو یہ تیری چیز ہو جاتی۔ اب یہ مال وارث کا ہے یعنی دوسرے وارثوں کی طرح ہی تجھے اس سے حصہ ملے گا، اب یہ ہبہ نہیں رہا اور اس کو وصیت اس لئے نہیں بنایا کہ وارث کے لئے وصیت کرنا جائز نہیں۔ خلاصہ یہ کہ صورتِ مسئولہ میں دیکھنا چاہئے کہ بیماری کس قسم کی ہے۔ سو اسی کے مطابق فیصلہ ہوگا۔

وارث کے لئے ہبہ اور قبضہ کے بغیر ہبہ کا حکم

سوال ❹: ہندہ صاحبِ جائیداد عورت ہے اور لاولد ہے۔ اس نے اپنی کچھ جائیداد اپنے بھتیجوں میں سے ایک بھتیجے زید کو ہبہ کرکے رجسٹری کرا دی ہے لیکن جائیداد مذکور کو اپنے ہی قبضہ میں رکھا ہوا ہے۔ ہندہ کی زندگی میں زید کا انتقال ہوگیا۔ ہندہ نے بعد انتقال زید مذکور کے ہبہ کو منسوخ کرنے کی زبانی کوشش کی، اس کے بعد ہندہ کا بھی انتقال ہوگیا۔ اب سوال یہ ہے کہ ہندہ کا اپنے وارثوں کو..... جن کا حصہ شرع میں مقرر ہے..... ہبہ کرنا جائز ہے؟ ہندہ کا ہبہ کردہ جائیداد کو اپنے قبضہ میں رکھنا ہبہ کو منسوخ کرتا ہے یا جائیداد مذکور از روئے شریعت ہندہ کے وارثوں میں تقسیم ہوگی یا زید کے وارثوں میں؟

جواب: ہندہ بقائمی ہوش و حواس صحت و تندرستی میں ہر ایک کو ہبہ کرسکتی ہے، صرف اولاد

www.KitaboSunnat.com

میں برابری کا حکم آیا ہے، دوسرے ورثا کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے کچھ نہیں فرمایا۔ ہاں مرضِ موت میں اس کی اجازت نہیں کیونکہ مرضِ موت کا ہبہ درحقیقت وصیت ہے، ایسے ہی حدیث میں ہے کہ «لا وصية لوارث» یعنی ''وارث کے لئے وصیت نہیں۔'' (ترمذی:۲۱۲۰)

ہندہ کا ہبہ مذکورہ تکمیل کو نہیں پہنچا۔ کیونکہ ہبہ میں موہوب لہ (جس کو ہبہ کیا گیا ہے) کا قبضہ شرط ہے جو ہبہ مذکورہ میں نہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عائشہؓ کو کچھ ہبہ کیا، مگر حضرت عائشہ نے اس پر قبضہ نہ کیا، اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ بیمار ہوگئے، موت کے آثار نمودار ہوئے تو فرمایا: اے عائشہؓ! تو نے قبضہ نہیں کیا۔ اب یہ مال ترکہ میں شامل ہے اور اس میں تجھے کوئی خصوصیت حاصل نہیں۔ یہ روایت تلخیص الحبیر کتاب الہبہ میں مذکور ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ہندہ کا ہبہ مکمل نہیں ہوا، اس لئے دیگر ورثا بھی اس میں حصہ دار ہیں۔

جس ہبہ سے شرعی وارث محروم ہوں، اس کا حکم

سوال ۵: زید کا ایک بیٹا بکر اور تین بیٹیاں ہندہ، کلثوم اور خدیجہ ہیں۔ زید اپنے لڑکے بکر کے ساتھ رہتا ہے۔ بیٹے بکر نے اپنی بہنوں اور اپنی بیٹیوں کو وراثت سے محروم کرنے کی غرض سے اپنے باپ زید پر ناجائز دباؤ ڈال کر کل جائیداد منقولہ و غیر منقولہ کو اپنے بیٹوں کے نام سے ہبہ بلا معاوضہ کرالیا جس کو تقریباً آٹھ نو سال گزر گئے۔ لیکن عملاً زید اسی مکان میں بود و باش رکھتا ہے اور اس نے کبھی مکان کا تخلیہ کر کے اسے خالی نہیں کرایا۔ چند روز ہوئے کہ زید فوت ہوگیا اور اس کے وارث مذکورہ تینوں لڑکیاں اور ایک لڑکا بکر ہے۔ ہندہ نے جب اپنے بھائی بکر سے ترکہ طلب کیا تو بکر نے جواب دیا کہ والد کی جو کچھ جائیداد تھی، خود ان کے حین حیات میں ہبہ ہوچکی ہے، البتہ انہوں نے کچھ ذاتی رقم خرچ کے لئے علیحدہ رکھی ہوئی تھی، ان میں سے جو کچھ بچا ہوگا، اس میں سے تم کو حصہ مل جائے گا، سوال یہ ہے کہ

① ایسا ہبہ جس سے ورثاء شرعی محروم ہوں اور وہ غیر وارث کو مل جائے، کیا جائز ہے یا نہیں؟

② آیا بیٹیوں کو اپنے باپ کی وراثت میں سے حصہ ملے گا یا نہیں اور یہ حضرت نعمان بن بشیرؓ کے واقعہ أكلّ أولادك نَحَلتَ (کیا تم نے تمام اولاد کو ایسا ہی تحفہ دیا ہے؟) کے ضمن میں داخل ہے یا نہیں؟

www.KitaboSunnat.com

③ ہبہ بلا قبضہ کا کیا حکم ہے؟

جواب: نعمان بن بشیرؓ کی حدیث میں صراحت ہے کہ اولاد میں عدل کرو۔ پس کسی ایک کے نام جائیداد کر دینا، چاہے وہ بیٹی ہو یا بیٹا، یہ امر حدیث کے خلاف ہے۔ زید کو کوئی حق نہیں تھا کہ وہ تمام جائیداد بکر کے نام کرتا اور اب بکر کو بھی اجازت نہیں کہ وہ اس جائیداد پر قبضہ کرے۔ تلخیص الحبیر میں ہے:

إن أبا بكر نحل عائشة جذاذ عشرين وسقا فلما مرض قال وددت أنك حزيتية أو قبضتيه وإنما هو اليوم مال الوارث. مالك في الموطأ عن شهاب بن عروة عن عائشة به وأتم منه رواه البيهقي من طريق ابن وهب عن مالك وغيره عن ابن شهاب عن حنظلة بن أبي سفيان عن القاسم بن محمد نحوه وقد روي الحاكم أن النبی ﷺ أهدى إلى النجاشي ثم قال لأم سلمة إنی لأرى النجاشي قد مات ولأرى الهدية التي أهديت إليه إلا سترد فإذا رددت إلي فهي لك فكان كذلك... الحديث

(رقم:۱۳۲۸،۱۳۲۹)

''حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عائشہؓ کو اَسّی من کھجور ہبہ کی۔ جب آپؓ بیمار ہوگئے تو فرمایا: میں چاہتا تھا کہ تو کھجوروں کو اپنے قبضہ میں کر لیتی کیونکہ آج وہ وارث کا مال ہے۔ امام مالکؒ نے اس کو موطأ میں روایت کیا ہے اور امام بیہقیؒ نے بھی اس کو بطریق وہب، امام مالک وغیرہ سے روایت کیا ہے اور حاکمؒ نے یہ بھی روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے نجاشی کو ایک تحفہ بھیجا۔ پھر اُمّ سلمہؓ کو کہا: میں دیکھتا ہوں کہ نجاشی فوت ہوگیا ہے اور جو تحفہ میں نے اس کو بھیجا تھا، وہ ضرور لوٹا دیا جائے گا۔ پس جب وہ واپس آئے تو وہ تیرے لئے ہے، چنانچہ اسی طرح ہوا۔''

ان دونوں روایتوں سے ثابت ہوا کہ ہبہ میں قبضہ ضروری ہے۔ اگر صرف ہبہ کر دینے سے ہبہ مکمل ہو جاتا تو حضرت ابوبکرؓ حضرت عائشہؓ کو یہ نہ کہتے کہ ''آج وہ مال وارث کا ہے۔'' نہ رسول اللہ ﷺ حضرت اُمّ سلمہؓ کو یہ کہتے کہ ''جب واپس آئے تو وہ تیرے لئے ہے۔'' بلکہ اس کے حق دار نجاشی کے ورثا ہوتے۔

www.KitaboSunnat.com

اولاد میں ہبہ کے وقت برابری کا حکم، بعض اولاد کو دی گئی جائیداد کا حکم

سوال ❻: ایک شخص نے اپنے جوان بیٹے کو علیحدہ کردیا اور تقریباً سو بیگہ زمین گزارے کے لئے دے دی اور ایک پختہ مکان بھی دیا، جس میں اس کی رہائش تھی۔ اس کا ایک اور بیٹا بھی تھا اور تین بیٹیاں بیاہی ہوئی تھیں لیکن ان کو کچھ نہیں دیا، اب یہ لڑکا فوت ہوگیا۔ متوفی صاحبِ اولاد تھا، دادا نے وہ زمین گزارا کے لئے متوفی کی اولاد کو دے چھوڑی، اب دادا بھی مرگیا ہے۔ متوفی کی اولاد کا چچا سے تقاضا ہے اور وہ نصف حصہ مانگتی ہے۔ ان کو دادا نے جو زمین دے رکھی ہے، کیا شرعاً ان کو ملے گی یا وہ بالکل محروم ہوجائیں گے۔

جواب: اولاد میں سے بعض کو دینا اور بعض کو نہ دینا یہ شرعاً ناجائز، جیسا کہ نعمان بن بشیرؓ والی مشہور حدیث اس سلسلے میں بالکل واضح ہے۔ البتہ بیٹوں کی موجودگی میں پوتوں کو کچھ ہبہ کیا جاسکتا ہے کیونکہ پوتے شرعاً وراثت سے محروم ہیں۔ پس پوتوں کو جو دادا نے دیا ہے، وہی ان کا حق ہے۔ بعض بیٹوں کا ہبہ بغیر دوسرے کی رضا مندی کے صحیح نہیں۔ پس جو کچھ باپ دے گیا، وہ بھی ترکہ میں شامل کرکے بدستور ترکہ رقبضہ تقسیم ہونا چاہئے۔

تحفہ دینے والے کا اپنی تحفہ کی ہوئی شے خریدنا

سوال ❼: دو بھائی ترکہ کے حصہ دار تھے، باپ مرگیا تو ایک بھائی نے اپنا حصہ بھائی کے حق میں چھوڑ دیا۔ اب اس ترکہ میں سے معاف کنندہ کو دوسرے بھائی سے کوئی چیز خریدنا روا ہے یا نہیں؟

جواب: ایسا معاف کرنا دراصل ہبہ کی قسم سے ہے، اس کے خریدنے میں بظاہر کچھ حرج معلوم نہیں ہوتا، کیونکہ کسی حدیث میں مجھے ہبہ کے خریدنے سے ممانعت تو یاد نہیں پڑتی، ویسے بغیر خریدنے کے رجوع کی ممانعت آئی ہے۔ البتہ اگر معاف کرنے والے نے اپنے بھائی پر صدقہ کی نیت کی تھی تو اسے خریدنا منع ہے۔ جیسا کہ نبی ﷺ نے عمرؓ کو منع کرتے ہوئے فرمایا:

«لاَتَشْتَرِهْ وَإِنْ أَعْطَاكَهُ بِدِرْهَمٍ وَاحِدٍ فَإِنَّ الْعَائِدَ فِي صَدَقَتِهِ كَالْكَلْبِ يَعُودُ فِي قَيْئِهِ» (صحیح بخاری:۲۶۳۲، صحیح مسلم:۴۱۳۹) ''اگر وہ تمہیں یہ گھوڑا ایک درہم کے عوض بھی دے، تب بھی مت خریدنا کیونکہ صدقہ کرکے اسے واپس لینے والا اس کتے کی طرح ہے جو قے کرتا ہے اور پھر خود ہی اسے چاٹ لیتا ہے۔''

www.KitaboSunnat.com

تحقیق وتنقید

محمد رفیق چودھری

جاوید احمد غامدی اور تحریفِ قرآن

جناب جاوید احمد غامدی صرف احادیثِ صحیحہ ہی کے منکر نہیں، وہ قرآن کی معنوی تحریف کرنے کے عادی بھی ہیں۔اُن کے ہاں تحریفِ قرآن کے بہت سے نمونے پائے جاتے ہیں۔اس مضمون میں اُن کی تحریفِ قرآن کا ایک نمونہ پیش کیا جاتا ہے:

غامدی صاحب 'اسلام کے حدود وتعزیرات' پر خامہ سرائی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''موت کی سزا قرآن کی رُو سے قتل اور فساد فی الارض کے سوا کسی جرم میں نہیں دی جاسکتی۔ اللہ تعالیٰ نے پوری صراحت کے ساتھ فرمایا ہے کہ ان دو جرائم کو چھوڑ کر، فرد ہو یا حکومت، یہ حق کسی کو بھی حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی شخص کی جان کے درپے ہو اور اسے قتل کرڈالے۔ [سورہ] مائدہ میں ہے: ﴿مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا﴾ (۳۲:۵) ''جس نے کسی کو قتل کیا، اس کے بغیر کہ اس نے کسی کو قتل کیا ہو، یا زمین میں فساد برپا کیا ہو، تو اُس نے گویا سب انسانوں کو قتل کیا۔''

(میزان صفحہ ۲۸۳، طبع دوم، اپریل ۲۰۰۲ء، مطبوعہ لاہور)

غامدی صاحب کی محولہ بالا عبارت تہ در تہ مغالطہ آمیزی اور پیچ در پیچ گمراہی کا مرقع ہے، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

① **پوری آیت نہ لکھنا:** غامدی صاحب نے اپنی تحریر میں سب سے پہلے یہ مغالطہ اور فریب دیا ہے کہ اُنہوں نے سورۃ المائدۃ کی آیت پوری نہیں لکھی کیونکہ اگر وہ پوری آیت لکھ دیتے تو اس سے اپنا من پسند مفہوم کشید نہیں کرسکتے تھے۔اس لئے اُنہوں نے مذکورہ آیت کا صرف اتنا حصہ لکھا ہے جس سے اُن کو اپنا خود ساختہ مفہوم نکالنے میں کچھ آسانی پیدا ہوگئی ہے۔اُن کی یہ حرکت ٹھیک ٹھیک مذموم تفسیر بالرائے اور قرآن کی معنوی تحریف ہے۔مکمل آیت یوں ہے:

﴿مِنْ أَجْلِ ذٰلِكَ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ إِسْرَائِيْلَ أَنَّهُ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا

www.KitaboSunnat.com

النَّاسَ جَمِيْعًا وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ إِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ﴾ (المائدۃ:۳۲) ''اسی سبب سے ہم نے بنی اسرائیل کیلئے لکھ دیا کہ جس نے کسی کو بغیر قصاص کے یا بغیر زمین میں فساد پھیلانے کی سزا کے قتل کیا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کر ڈالا اور جس نے کسی ایک شخص کی جان بچائی، اس نے گویا سارے انسانوں کی جان بچائی۔ اور یہ واقعہ ہے کہ ہمارے بھیجے ہوئے پیغمبر واضح احکام لے کر اُن کے پاس آئے مگر اس کے باوجود ان میں سے اکثر لوگ زمین میں زیادتیاں کرتے رہے۔''

یہ وہ اصل آیت ہے جس کا من پسند ٹکڑا الگ کر کے غامدی صاحب نے اپنا مطلوبہ مفہوم کشید کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پوری صراحت کے ساتھ فرمایا ہے کہ دو جرائم قتل اور فساد فی الارض کو چھوڑ کر موت کی سزا نہیں ہے۔ گویا اس مقام پر غامدی صاحب نے اسی طرح قرآن کی معنوی تحریف کر دی جیسے کوئی شخص قرآن کی سورہ النسا آیت ۴۳ کی درج ذیل عبارت:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى.....﴾

''اے ایمان والو! نماز کے قریب نہ جاؤ جبکہ تم نشے کی حالت میں ہو.....''

میں سے اُس کے آخری الفاظ وانتم سکریٰ (جبکہ تم نشے کی حالت میں ہو) حذف کر کے اس سے یہ مفہوم نکالے کہ قرآن مجید مسلمانوں کو نماز کے قریب جانے سے روکتا ہے۔

ایسی جسارت صرف وہی شخص ہی کر سکتا ہے جس کے دل میں اللہ کا خوف نہ ہو اور جسے آخرت کی جواب دہی کا احساس نہ ہو۔

④ **مذموم تفسیر بالرائے:** غامدی صاحب نے اسلامی شریعت میں موت کی سزا کے بارے میں بحث کرتے ہوئے پہلا کمال تو یہ دکھایا کہ آیت پوری نہیں دی کیونکہ مذکورہ آیت کے مضمون کا تعلق بنی اسرائیل سے ہے جس کا کوئی تعلق اسلامی حدود و تعزیرات سے نہیں۔ دوسرے، مذکورہ آیت بھی یہودیوں کے قانون قصاص سے متعلق نہیں ہے بلکہ اس قانون کے فلسفہ و حکمت کے بارے میں ہے جبکہ یہودیوں کا قانونِ قصاص قرآن میں اس طرح بیان ہوا ہے:

﴿وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ (سورۃ المائدۃ:۴۵)

''ہم نے یہودیوں کے لئے توریت میں لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے

www.KitaboSunnat.com

آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور اسی طرح زخموں کا بھی ویسا ہی بدلہ لینا ہے۔ پھر جو کوئی معاف کردے تو یہ اس کے گناہوں کا کفارہ بن جائے گا اور جو اللہ کے نازل کئے ہوئے قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں، وہی ظالم ہیں۔''

سورۃ المائدۃ کی جس آیت سے غامدی صاحب نے موت کی سزا کو صرف دو جرائم تک محدود کردیا ہے، اُس آیت کو دوسرے تمام مفسرین کی طرح اُن کے استاد 'امام' امین احسن اصلاحی بھی اسلامی حدود وتعزیرات کا ماخذ نہیں سمجھتے بلکہ انہوں نے بھی اس آیت کے مضمون کو یہودیوں سے متعلق قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ اپنی تفسیر 'تدبر قرآن' میں مذکورہ آیت کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ

﴿ أَنَّهُ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَا اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ﴾ ''یہ اُس اصل حکم کا بیان نہیں ہے جو قصاص کے باب میں یہود کو دیا گیا بلکہ اس کی دلیل اور اس کی حکمت وعظمت بیان ہوئی ہے۔ 'جان کے بدلے جان' کا قانون تورات میں بھی ہے اور اس کا حوالہ اس سورہ میں بھی آگے آرہا ہے۔ یہاں چونکہ مقصود یہود کی شرارت وشقاوت کو نمایاں کرنا ہے، اس وجہ سے قانونِ قصاص کا اصل فلسفہ بیان فرمایا گیا۔ یہود پر قتل نفس کی سنگینی واضح کرنے کے لئے ان کو یہ حکم اس تصریح کے ساتھ دیا گیا تھا کہ ایک کا قاتل سب کا قاتل اور ایک کا بچانے والا سب کا بچانے والا ٹھہرے گا۔ لیکن پھر وہ قتل اور فساد فی الارض کے معاملے میں بالکل بے باک ہوگئے۔'' (تدبر قرآن: جلد۲ رصفحہ۵۰۳)

لہٰذا یہ غامدی صاحب کی تحریفِ قرآن اور مذموم تفسیر بالرائے کا شاخسانہ ہے کہ اُنہوں نے المائدۃ کی آیت مذکورہ کو اس کے سیاقِ کلام سے کاٹ کر اس کا صرف ایک تہائی ٹکڑا لکھ کر اس سے وہ معنی نکالے جو اس کے استاد 'امام' سمیت آج تک کسی مفسر نے نہیں نکالے کہ اسلام میں موت کی سزا صرف دو جرائم پر دی جاسکتی ہے اور 'اللہ تعالیٰ نے اسے پوری صراحت' سے بیان فرمادیا ہے جس کے بعد کسی فرد یا حکومت کو دو جرائم (قتل اور فساد فی الارض) کے سوا کسی اور جرم میں موت کی سزا دینے کا کوئی حق نہیں جبکہ اہل علم جانتے ہیں کہ قتل کے قصاص کا قانون تو سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۷۸ میں بیان ہوا ہے اور فساد فی الارض یا محاربہ میں موت کی سزا کا قانون سورۃ المائدۃ کی آیت ۳۳ میں مذکور ہے۔

زیر بحث آیت کا موت کی سزا کے قانون سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ تلعب بالقرآن ہے جو غامدی صاحب کا مشغلہ ہے کہ وہ زنا کی سزاے رجم بھی المائدۃ: ۳۳ سے نکال لیتے ہیں۔

www.KitaboSunnat.com

③ **احادیثِ صحیحہ کا انکار:** غامدی صاحب نے اپنی مذکورہ عبارت کے ذریعے کئی احادیثِ صحیحہ کا انکار بھی کرڈالا ہے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ صحیح احادیث (جو تواتر کی مانند ہیں) میں شادی شدہ زانی کے لئے رجم، یعنی سنگساری کی سزا موجود ہے جو کہ موت کی سزا ہے۔ اسی طرح احادیثِ صحیحہ میں مرتد کیلئے موت کی سزا مقرر ہے۔ غامدی صاحب نے ایک ہی سانس میں ان دونوں شرعی حدود کا انکار کردیا ہے۔ ان کی یہ حرکت دیگر منکرین حدیث کی طرح کا صریحاً انکارِ حدیث اور انکارِ سنت ہے اور قرآن وسنت کے باہمی تعلق کو ختم کرنے کی مذموم کوشش ہے۔ کیونکہ حدیث وسنت دراصل قرآن ہی کی شرح ہے اور حجت اور واجب الاطاعت ہے۔ مگر غامدی صاحب کا حال یہ ہے کہ وہ سنت سے ثابت شدہ بہت سے احکام کے منکر ہیں۔

④ **اجماعِ اُمت کا انکار:** غامدی صاحب کی مذکورہ عبارت میں اجماعِ اُمت کا انکار بھی پایا جاتا ہے کیونکہ اس بات پر اجماعِ اُمت نہیں ہے کہ شریعت میں موت کی سزا صرف دو جرائم (قتل اور فساد) ہی پر ہے بلکہ اجماعِ اُمت کی رُو سے شادی شدہ زانی اور مرتد دونوں کے لئے بھی موت کی شرعی سزا مقرر ہے اور ان دونوں جرائم .....شادی شدہ شخص کے زنا اور ارتداد کی سزاے موت..... کے غامدی صاحب منکر ہیں۔

⑤ **اسلامی شریعت کا انکار:** غامدی صاحب کا یہ دعویٰ کہ صرف دو جرائم ہی پر موت کی سزا ہے یا تو اسلامی شریعت سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے یا پھر خانہ ساز شریعت ایجاد کرنے کے شوق کا شاخسانہ ہے کیونکہ شریعت اسلامیہ میں صرف مذکورہ دو جرائم (قتل اور فساد) ہی پر موت کی سزا مقرر نہیں ہے بلکہ اور بھی کئی جرائم پر موت کی سزا مقرر ہے، جیسے شادی شدہ زانی کے لئے سنگساری اور مرتد کے لئے سزاے موت۔ لہٰذا غامدی صاحب نے اپنی مذکورہ عبارت کے ضمن میں اسلامی شریعت کے حدود وتعزیرات کا بھی انکار کردیا ہے۔

خلاصہ کلام: منکر حدیث جناب جاوید غامدی کا یہ نظریہ بالکل غلط ہے کہ موت کی سزا قرآن کی رُو سے قتل اور فساد فی الارض کے سوا کسی جرم میں بھی نہیں دی جاسکتی۔ پورے قرآن مجید میں کہیں بھی اس طرح کی کوئی تحدید نہیں کی گئی کہ ان دو جرائم کے سوا اللہ تعالیٰ کے قانون میں کسی فرد یا حکومت کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کسی شخص کو موت کی سزا دے۔ اگر غامدی

www.KitaboSunnat.com

صاحب کے مذکورہ نظریہ کو مان لیا جائے تو معاذ اللہ اس قرآنی حکم کی سب سے پہلی نافرمانی خود حضرت محمد ﷺ نے کی جنہوں نے عملی طور پر شادی شدہ زانیوں اور مرتدوں کو بھی موت کی سزا دی۔ العیاذ باللہ!

تحریفِ قرآن کی چند دیگر مثالیں

غامدی صاحب کے ہاں تحریف قرآن، تلعب بالقرآن اور مذموم تفسیر بالرائے کی مثالیں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ ذیل میں ہم اُن کی کتاب 'البیان' سے چند آیات کا ترجمہ وتفسیر پیش کرتے ہیں:

❶ سورۃ اللہب میں ﴿تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ﴾ کا ترجمہ یہ کیا ہے:

''ابولہب کے بازو ٹوٹ گئے۔'' پھر اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ

''یعنی اُس کے اعوان وانصار ہلاک ہوئے۔'' (البیان ص ۲۶۰، تاریخ اشاعت ستمبر ۹۸ء لاہور)

❷ سورۃ الاخلاص میں ﴿قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ﴾ کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

''وہ اللہ سب سے الگ ہے۔'' (البیان: صفحہ ۲۶۱)

❸ سورۃ الفیل میں ﴿تَرْمِيهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيلٍ﴾ کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ

''تو پکی ہوئی مٹی کے پتھر اُنہیں مار رہا تھا۔'' (البیان: صفحہ ۲۴۰)

❹ سورۃ البروج میں ﴿قُتِلَ أَصْحٰبُ الْأُخْدُودِ ○ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُودِ﴾ کا یہ ترجمہ کیا ہے کہ ''مارے گئے ایندھن بھری آگ کی گھاٹی والے۔'' (البیان: صفحہ ۱۵۷)

اور پھر اس کی تفسیر یوں فرمائی ہے کہ

''یہ قریش کے اُن فراعنہ کو جہنم کی وعید ہے جو مسلمانوں کو ایمان سے پھیرنے کے لئے ظلم وستم کا بازار گرم کئے ہوئے تھے۔ اُنہیں بتایا گیا ہے کہ وہ اگر اپنی اس روش سے باز نہ آئے تو دوزخ کی اُس گھاٹی میں پھینک دے جائیں گے جو ایندھن سے بھری ہوئی ہے۔ اس کی آگ نہ کبھی دھیمی ہوگی اور نہ بجھے گی۔'' (البیان: صفحہ ۱۵۷)

تو قارئین محترم! یہ ہیں جاوید احمد غامدی صاحب جو آج کل کبھی پس پردہ اور کبھی پردۂ سکرین پر آ کر تحریفِ قرآن کی رسم زندہ رکھے ہوئے ہیں، فتنۂ انکارِ حدیث کی آبیاری کررہے ہیں، روشن خیال اعتدال پسندی (Enlightened Moderation) کی ٹھیک ٹھیک نمائندگی فرمارہے ہیں اور دین اسلام کا نیا ایڈیشن تیار کررہے ہیں۔

www.KitaboSunnat.com

افکارِ معاصرین

پروفیسر حافظ محمد دین قاسمی

قسط نمبر۲

'مفکرِ قرآن' بمقابلہ 'مصورِ پاکستان'

علامہ اقبالؒ مسلمانانِ برصغیر کی عظیم فکری شخصیت ہیں اور آپ نے شاعری کے ذریعے مسلم اُمہ میں بیداری کی لہر پیدا کی۔ اثر آفرینی اور ملی افکار کی بدولت آپ کی شاعری ممتاز حیثیت کی حامل ہے۔ لیکن ان غیر معمولی خصائص کا یہ مطلب نہیں کہ آپ کے جملہ افکار اور شاعری کو مقامِ عصمت اور تقدس حاصل ہے۔ ایک انسان ہونے کے ناطے اس میں بعض پہلوؤں سے اختلاف بھی کیا جاسکتا ہے، خود آپ کے افکار میں بھی ارتقا کا عمل جاری رہا جس کے اثرات آپ کی شاعری میں بھی جھلکتے ہیں۔

زیرِنظر مقالہ میں بعض موضوعات کے حوالے سے شاعرِ مشرق علامہ اقبال اور منکرِ حدیث غلام احمد پرویز کے افکار ونظریات کا ایک تقابل پیش کیا جارہا ہے جس سے یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ پرویز نے محض اپنے مقاصد کیلئے علامہ اقبال کا نام نامی استعمال کیا ہے۔ آپ کے نام کو استعمال کرنے کی وجہ سے ایسا ہرگز نہ سمجھا جائے کہ علامہ اقبال بھی ایسے ہی خیالات رکھتے تھے اور نہ ہی یہ کہ پرویز کے ملحدانہ نظریات کو علامہ کی کوئی تائید حاصل ہے۔ اس مقصد کے لئے متعدد مثالوں کو پیش کرتے ہوئے دونوں کے اقتباسات کی نشاندہی پر ہی اکتفا کیا گیا ہے، جبکہ نفس مسئلہ کے بارے میں مقالہ کی طوالت کے پیش نظر اپنے تبصرہ یا ان پر محاکمہ سے گریز کیا گیا ہے۔ اس مضمون کی پہلی قسط اپریل ۲۰۰۶ء میں شائع ہوئی جس میں ۶ مختلف اُمور پر پرویز اور علامہ اقبال کے درمیان فکری تضادات کی نشاندہی کی گئی تھی۔ درمیان میں طلوعِ اسلام کے جوابات پر مبنی دو مضامین شائع ہوجانے سے زیرِنظر مضمون میں انقطاع پیدا ہوگیا۔ دوسری اور آخری قسط اب ملاحظہ فرمایئے۔ ح م

ساتواں اختلاف 'تصوف' کی بابت

علامہ اقبالؒ اور پرویز صاحب کے مابین جن اُمور میں اختلاف تھا، ان میں ایک امر تصوف کا معاملہ بھی تھا۔ اوّل الذکر تصوف کے قائل تھے جبکہ مؤخر الذکر اس کے سخت خلاف تھے۔ تصوف کیا ہے؟ اس کی حقیقت کیا ہے؟ اس کا مقصد کیا ہے؟ انسانی زندگی پر اس کے اثرات کیا ہیں؟ ان تمام اُمور سے قطع نظر کرتے ہوئے، یہاں صرف یہ عرض کرنا مقصود ہے کہ تصوف سے علامہ اقبالؒ کی دلچسپی اور ان کے متصوفانہ اشعار و اعمال کا ذکر، جب کیا جاتا

www.KitaboSunnat.com

ہے تو اس کی تردید میں پرویز صاحب یہ کہا کرتے تھے کہ

"اقبال کی طرف منسوب ان قصوں کا جواب یہ ہے کہ یہ اس زمانے یا ان لمحات کی باتیں ہیں جب قرآنی حقائق سے وہ متعارف نہیں ہوئے تھے، یا وہ ان کی نگاہوں سے اوجھل ہوگئے تھے۔"①

چکمہ بازی اور مغالطہ آرائی میں ...... بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر ......فریب کاری اور دھوکہ دہی میں 'مفکر قرآن' جناب چوہدری غلام احمد پرویز صاحب کا ایسا بلند مقام تھا کہ کوئی بڑے سے بڑا فریب کار بھی ان کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتا تھا۔ یہاں اُنہوں نے عوام الناس کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لئے اُدھوری بات پیش کی ہے، اور اسی بنا پر اپنے اس مفروضہ کو حقیقت کا جامہ پہنا کر پیش کیا ہے کہ تصوف اور قرآن گویا بنیادی طور پر ایک دوسرے کے خلاف اور باہم دگر نقیض و متضاد ہیں، حالانکہ اپنے مقصودِ اصلی اور غایت اولیٰ کے اعتبار سے، اور زہد و تقویٰ کے مفہوم میں 'تصوف' قرآن کا مقصود و مطلوب ہے۔ تصوف آخر اس کے سوا کیا ہے کہ وہ پاکیزگی نفس، تطہیر قلب، رجوع الی اللہ اور اخلاص فی العمل کا نام ہے، خود طلوعِ اسلام میں پرویز صاحب ہی کے قلم سے، انہی اُمور کو 'تصوف' کہا گیا ہے:

"اعمال میں اخلاص کا ہونا ضروری ہے، اخلاص نہ ہو تو پھر اعمال یا محض ریاکاری ہوجاتے ہیں یا مشینی عمل کہ جس میں حرکت تو ہوتی ہے لیکن روح مفقود۔ جب عوام میں کچھ ظاہرداری آنے لگی تو حقیقت بیں نگاہوں نے اخلاص پر زور دیا، اور اعمال کے اصل مقصد یعنی تزکیۂ نفس، صفائی قلب، اِنابت الی اللہ اور خشیتِ باری تعالیٰ کی طرف توجہ دلائی، یہ سمجھئے تصوف کی اصل۔"②

اب اگر تصوف کی اصل یہی ہے تو پھر نہ تو یہ قرآن سے کوئی الگ اور جداگانہ چیز ہے، اور نہ ہی اسلام سے کوئی متناقض یا متصادم تصور۔ قرونِ اولیٰ میں فی الواقعہ یہ تصوف موجود تھا، مگر یہ نام موجود نہ تھا، آج یہ نام موجود ہے، لیکن وہ حقیقی تصوف موجود نہیں ہے۔ لاریب اصل اور حقیقی تصوف میں آج کچھ ایسے اُمور بھی شامل ہوچکے ہیں جو قرآن وسنت سے بیگانہ ہیں۔

بہرحال 'مفکر قرآن' نے تصوف کے معاملہ میں پہلا مغالطہ تو یہ دیا ہے کہ اسے قرآن کے

---

① طلوع اسلام، مئی ۱۹۸۴ء، ص ۳۰ ② طلوع اسلام، مئی ۱۹۴۰ء، ص ۴۲

www.KitaboSunnat.com

نقیض کے طور پر پیش کیا ہے، اور یہ کچھ اُنہوں نے پوری کی بجائے، اُدھوری بات پیش کرتے ہوئے کیا ہے، اور دوسرا مغالطہ یہ دیا ہے کہ اقبالؒ کے متصوفانہ اُمور و واقعات کو اُن کے 'قرآنی حقائق سے متعارف' ہونے کے دور سے قبل کے واقعات قرار دیا ہے اور ساتھ ہی یہ تاثر دیا ہے کہ ان کی زندگی کا آخری دور چونکہ 'قرآنی حقائق سے متعارف' ہونے کا دور تھا، اس لئے ان کے اس دورِ سابق کے خیالات سند نہیں ہوسکتے جس میں قرآنی حقائق سے وہ 'جاہل و بے خبر' تھے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''انکی اوّلین تحریروں کو ان کے خیالات کی ترجمانی کیلئے بطورِ سند پیش نہیں کرنا چاہئے۔''③

یاد رکھئے کہ اس معاملہ میں پوری حقیقت یہ ہے کہ علامہ اقبالؒ (بقول طلوعِ اسلام) آخری عمر میں پھر اسی تصوف کی طرف لوٹ گئے تھے جو علما کے ہاں بھی اور خود پرویز صاحب کے ہاں بھی اسلام کا مقصود ومطلوب☆ تھا۔ لیکن پرویز صاحب چونکہ اب خود تصوف کے خلاف ہوچکے تھے، اس لئے وہ یہ اُدھوری حقیقت تو پیش کرتے ہیں کہ اقبالؒ 'قرآنی حقائق سے متعارف' ہونے کے بعد تصوف کے قائل نہیں رہے تھے، لہٰذا ان کے سابقہ دور کے خیالات کو بطورِ سند پیش نہ کیا جائے۔ لیکن وہ یہاں اس حقیقت کو پردۂ اخفا میں رکھتے ہیں کہ وہ اپنی زندگی کے آخری دور میں پھر تصوف کے قائل ہوگئے تھے، اور یہ الفاظ کہ..... ''اقبال کے دورِ سابق کے خیالات کو بطورِ سند پیش نہیں کرنا چاہئے۔''..... خود 'مفکرِ قرآن' ہی کے سامنے ایک ایسا آئینہ پیش کردیتے ہیں جس میں اُنہیں دوبارہ اپنا چہرہ دیکھنا چاہئے، لیکن چونکہ وہ یہ آئینہ دیکھنا

③ طلوع اسلام، اگست، ستمبر ۱۹۶۴ء، ص ۱۲۴

☆ بعض لوگ تصوف کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں: ایک تصوف تو وہ ہے جو آج ہمارے معاشروں میں پایا جاتا ہے، سلوک وطریقت کی منزلوں، وجد وعرفان کے طریقوں اور راگ ورقص کی خرافات کے ساتھ ساتھ اس میں وحدت الوجود اور وحدت الشہود جیسے گمراہ عقائد بھی موجود ہیں۔ ابن عربی، منصور حلاج، جنید بغدادی اور دیگر مشہور صوفیا کی طرف اس کو منسوب کیا جاتا ہے، یہ تو وہ تصوف ہے جس کی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں اور اسی تصوف کی حقیقت پر مولانا عبدالرحمٰن کیلانی کی 'شریعت وطریقت' کے نام سے کتاب لائق مطالعہ ہے۔ البتہ تصوف کا دوسرا مفہوم زہد وورع اور احسان یا اخلاص فی العمل وغیرہ کے معنی میں لیا جاتا ہے اور اس کو 'مطلوب تصوف' باور کیا جاتا ہے جبکہ محتاط طرزِ عمل یہ ہے کہ تصوف کی مشترک المعنی اصطلاح استعمال کرنے کی بجائے ان نیک خصائل کو دورِ خیر القرون کی طرح زہد واخلاص کے نام سے ہی متعارف کرایا جائے۔ (ح م)

www.KitaboSunnat.com

نہیں چاہتے، اسلئے وہ خود تو علامہ کے دورِ ماضی کے خیالات کو پیش کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے لیکن دوسروں کو وہ یہی حکم دیتے ہیں کہ وہ ایسا نہ کریں، اوروں کو نصیحت خود میاں فضیحت!

رہا 'مفکر قرآن' صاحب کی طرف سے نظر انداز شدہ حقیقت کا یہ حصہ کہ علامہ اقبالؒ اپنے آخری دورِ زندگی میں پھر تصوف کے قائل ہوگئے تھے تو اس کا ثبوت بھی طلوعِ اسلام ہی کی فائل سے پیش کیا جارہا ہے تا کہ 'مفکر قرآن' کی دھوکہ دہی اور فریب کاری طشت از بام ہوجائے:

''یاد رہے کہ تصوف کے متعلق اقبال کے نظریات ہمیشہ ہی متنازعہ رہے ہیں، کسی زمانہ میں وہ تصوف کے دل دادہ تھے، پھر ایک زمانہ آیا کہ وہ اس کو مسلمانوں کے زوال کا سبب سمجھنے لگے، اس زمانے میں اُنہوں نے 'تصوف؛ شعبدہ بازیوں کی کمند' جیسا مضمون تحریر کیا، اس کے علاوہ وہ تصوف کو اسلام کی سرزمین میں اجنبی پودا بھی کہا کرتے تھے، اور اس کے بعد عمر کے آخری حصے میں پھر اسی طرف آ گئے۔''④

اب رہا یہ سوال کہ علامہ اقبالؒ کس تصوف کو مسلمانوں کے زوال کا سبب سمجھتے تھے اور کس تصوف کے وہ عمر بھر دلدادہ رہے، اور کس تصوف کو وہ سرزمین اسلام میں عجمی پودا قرار دیتے تھے تو اس پر میں پرویز کے پورے لٹریچر کی روشنی میں کبھی تفصیلی مقالہ لکھوں گا۔ ان شاء اللہ

آٹھواں اختلاف بسلسلۂ 'خلافتِ الٰہیہ'

مصورِ پاکستان علامہ اقبالؒ اور 'مفکرِ قرآن' پرویز صاحب کے درمیان دوسرا اختلافی مسئلہ انسان کا خلیفة الله ہونا ہے۔ پرویز صاحب اس کے قائل نہیں ہیں جبکہ علامہ اقبالؒ حضرت انسان کی نیابتِ الٰہیہ کے قائل ہیں۔ ان کا یہ موقف مندرجہ ذیل اشعار میں مذکور ہے:

نائب حق در جہاں بودن خوش است
بر عناصر حکمراں بودن خوش است ⑤

''دنیا میں اللہ تعالیٰ کا نائب ہونا اور عناصر فطرت پر حکمرانی کرنا کیا خوب ہے''⑥

نائب حق، ہمچو جانِ عالم است
ہستی او ظل اسم اعظم است ⑦

④ طلوع اسلام، جون ۱۹۸۵ء، ص ۱۱
⑤ اسرار و رموز، ص ۱۱۴
⑥ اسرار و رموز، ص ۱۱۴ تا ۱۱۵
⑦ اسرار و رموز، ص ۱۱۴ تا ۱۱۵

www.KitaboSunnat.com

''نائب حق، اس کائنات کی جان کی مانند ہے اور اس کا وجود اسم اعظم کا سایہ ہے۔''[8]

لیکن پرویز صاحب نہ تو خلافتِ الٰہیہ کے قائل ہیں اور نہ ہی انسان کو خلیفة الله مانتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ تصور ہی غیر قرآنی ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

① اصل یہ ہے کہ اس قسم کے باطل تصورات کا بنیادی سبب وہ عقیدہ ہے جو ہمارے ہاں صدیوں سے چلا آ رہا ہے کہ خدا نے انسان کو اپنا خلیفہ بنایا ہے۔ یہ عقیدہ قرآنی تعلیم کے یکسر خلاف ہے۔[9]

② یہ جو ہمارے ہاں عام طور پر کہا جاتا ہے کہ خدا نے آدم کو اپنا خلیفہ بنایا تو یہ تصور غیر قرآنی ہے۔ قرآن میں کہیں نہیں آیا کہ خدا نے آدم کو اپنا خلیفہ بنایا ہے، یہ عیسائیت کا تصور ہے۔[10]

③ ہمارے ہاں ایک غلط تصور یہ بھی رائج ہے کہ انسان دنیا میں خدا کا خلیفہ ہے (خليفة الله في الأرض) یہ تصور بھی قرآن کے خلاف ہے۔[11]

انسان کا خلیفۃ اللہ ہونا، وہ موقف ہے جو پرویز صاحب کے نزدیک قطعی خلافِ قرآن ہے جبکہ علامہ اقبالؒ اسے ایک اسلامی حقیقت قرار دیتے ہیں۔ بہرحال اس بارے میں صحیح شرعی نقطہ نظر کیا ہے؟ چونکہ یہ ایک مستقل موضوع ہے، اس لئے محض علامہ اقبال اور پرویز میں اس فکری تضاد کی نشاندہی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

نواں اختلاف بسلسلۂ تقلید

علامہ اقبالؒ اور پرویز صاحب کے درمیان واقع اختلافی مسائل میں سے ایک مسئلہ تقلید کا مسئلہ بھی ہے۔ تقلید کی شرعی حیثیت سے قطع نظر کرتے ہوئے ایک تاریخی حقیقت کے طور پر اگر اس مسئلہ کا جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ پرویز صاحب تقلید کے خلاف ہیں، جبکہ علامہ اقبالؒ اس دورِ پُرفتن میں تقلیدِ اسلاف پر زور دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ اس عنوان کے تحت کہ 'درمعنیٔ ایں کہ در زمانہ انحطاط 'تقلید از اجتہاد اولیٰ تر است' فرماتے ہیں:

عہد حاضر فتنہ ہا زیر سر است　　طبع نا پردائے او آفت گر است

---

⑧ اسرار و رموز، ص ۱۱۴ تا ۱۱۵
⑨ طلوع اسلام، جون ۱۹۷۳ء، ص ۱۶
⑩ طلوع اسلام، ستمبر ۱۹۷۳ء، ص ۳۸
⑪ تفسیر مطالب الفرقان، جلد دوم، ص ۶۴

www.KitaboSunnat.com

بزم اقوام کہن برہم ازو شاخسار زندگی بے نم ازو
جلوہ اش ماراز ما بیگانہ کرد ساز ما را از نوا بیگانہ کرد
از دل ما آتش دیرینہ بُرد نور و نار لا إلٰہ از سینہ برد
مضمحل گردد چوں تقدیم حیات ملت از تقلید می گیرد ثبات
راہ آباء رو کہ ایں جمعیت است معنی تقلید ضبط ملت است ⑫

''موجودہ دور اپنے اندر بہت سے فتنے رکھتا ہے، اس کی بے باک طبیعت سراپا آفت ہے۔ عہدِ حاضر نے گذشتہ اقوام کی بزم کو برہم کردیا اور زندگی کی شاخوں کو نمی سے محروم کردیا۔ دورِ جدید کے جلوؤں نے اپنا آپ بھلا دیا ہے، اور ہمارے سازِ زندگی کو نغمہ سے محروم کردیا۔ اس نے ہمارے دل سے عشق کی قدیم آگ چھین لی ہے اور ہمارے سینوں سے لا الٰہ کا نور ونار نکال دیا ہے۔ جب زندگی کی ساخت کمزور پڑ جاتی ہے تو اس وقت قوم تقلید ہی سے استحکام پاتی ہے۔ اپنے آبا کے راستے پر چل کر اسی میں جمعیت ہے۔ تقلید کا مطلب ملت کو ایک ضبط کے تحت لانا ہے۔⑬

قدرے اور آگے چل کر وہ فرماتے ہیں:

اے پریشاں محفل دیرینہ ات مُرد شمع زندگی در سینہ ات
نقش بر دل معنی توحید کن چارۂ کار خود از تقلید کن
اجتہاد اندر زمان انحطاط قوم را برہم ہمیں پیچد بساط
ز اجتہادِ عالمانِ کم نظر اقتدا بر رفتگاں محفوظ تر ⑭

''اے مسلمان! تیری قدیم محفل پریشان ہوچکی، اور تیرے سینے میں شمع زندگی بجھ گئی۔
اپنے دل پر دوبارہ نقش توحید کندہ کر، اور تقلیدِ اسلاف سے چارہ سازی کر۔
انحطاط کے زمانہ میں اجتہاد قوم کا شیرازہ بکھیر دیتا اور اس کی بساط لپیٹ دیتا ہے۔
کوتاہ نظر عالموں کے اجتہاد سے، اسلاف کی پیروی زیادہ محفوظ راستہ ہے۔''⑮

لیکن پرویز صاحب تقلید کی زبردست مخالفت کرتے ہوئے اسے اللہ کے حضور ناقابل

⑫ اسرار ورموز، ص ۷۵ تا ۷۵
⑬ اسرار ورموز، ص ۷۵ تا ۷۵
⑭ اسرار ورموز، ص ۷۶ تا ۷۷
⑮ اسرار ورموز، ص ۷۶ تا ۷۷

www.KitaboSunnat.com

قبول عمل بلکہ ناقابل معافی جرم قرار دیتے ہیں اور روشِ تقلید کو دخولِ جہنم کا سبب گردانتے ہیں، چنانچہ وہ بڑی بلند آہنگی کے ساتھ یہ کہتے ہیں:

''یقیناً اللہ تعالیٰ نے تقلید کو حرام قرار دے کر نیز کتاب اللہ میں یہ تصریح فرما کر کہ اللہ تعالیٰ تقلید کو قبول نہیں کرے گا، نہ آخرت میں مقلد کو معذور اور قابل معافی سمجھے گا، بالواسطہ ہر ایک کے لئے خود اعتقادی کے ساتھ دین کا استدلالی علم سیکھنا فرض قرار دیا ہے۔''⑯

''قرآن کے نزدیک عقل وفکر سے کام نہ لینا اور دوسروں کی اندھی تقلید کئے جانا، ایسی روش ہے جو اَفراد اور اَقوام دونوں کو جہنم میں جا گراتی ہے۔''⑰

'مفکرِ قرآن' جناب پرویز صاحب کے ان اقتباسات کی روشنی میں مصورِ پاکستان جناب علامہ اقبالؒ کا دنیا و آخرت میں جو مقام قرار پاتا ہے، وہ واضح ہے لیکن چونکہ کلامِ اقبالؒ کے 'شارح' اور فکرِ اقبالؒ کے 'وارث' ہونے کی حیثیت سے، اُنہیں یہ گوارا نہیں کہ علامہ اقبالؒ واصل جہنم ہوں، اس لئے وہ علامہ اقبالؒ کے نظریۂ تقلید کی بابت یہ توجیہ کرتے ہیں:

''اقبال حامل وحی نہ تھے کہ اُنہیں کسی مسئلہ میں غلطی نہ لگتی۔ اُنہوں نے یہ کچھ اپنی فکر کے ابتدائی ایام میں کہا تھا، لیکن جب (بعد میں) ان کی فکر میں پختگی اور مطالعہ میں مزید وسعت اور گہرائی پیدا ہوئی تو اُنہوں نے خود ہی اس رائے کو بدل دیا۔''⑱

یہ توجیہ اگر درست بھی ہو، تب بھی یہ سوال اپنی جگہ قائم رہتا ہے کہ پرویز صاحب نے علامہ اقبالؒ کی بدلی ہوئی رائے کے مطابق کیا واقعی ترکِ تقلید کا مسلک اپنا لیا تھا؟ جبکہ ہم خود دیکھتے ہیں کہ پرویز اپنے آخری سانس تک مقلد بنے رہے ہیں اور انتہائی جامد قسم کی تقلید پر قائم رہے ہیں، اندھے کی لاٹھی کے سہارے روشِ تقلید پر گامزن رہے ہیں۔ زندگی کے کسی مرحلے میں بھی، وہ تقلید کے بندھن سے آزاد نہیں ہوئے۔ یہ الگ بات ہے کہ اُنہوں نے امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ یا امام احمدؒ بن حنبل کی تقلید کی بجائے 'امام' ڈارون، 'امام' مارکس، 'امام' رینان اور 'امام' ان ون وغیرہ کی تقلید کی ہے۔ سوال یہ ہے کہ نفس تقلید اگر واقعی کوئی معیوب چیز ہے تو خواہ یہ قدیم کی ہو یا جدید کی ہر نوع کی تقلید معیوب ہے لیکن 'مفکرِ قرآن'

⑯ طلوع اسلام، مارچ ۱۹۵۹ء، ص ۳۰ ⑰ طلوع اسلام، دسمبر ۱۹۸۱ء، ص ۶۲

⑱ طلوع اسلام، اگست ۱۹۵۸ء، ص ۲۶

www.KitaboSunnat.com

صاحب تھے کہ وہ تقلید کو دو قسموں میں تقسیم کرکے ایک قسم کی تقلید کی زبردست مخالفت کیا کرتے تھے اور دوسری قسم کی تقلید کو جامد انداز میں اپنائے ہوئے تھے۔ اسلافِ صالحین کی پیروی و اطاعت کا معاملہ ہوتو وہ ایک لمبی آہ سرد بھر کر، آنکھوں میں آنسو لاتے ہوئے یہ کہا کرتے تھے کہ ع آہ! محکومی وتقلید وسوال تحقیق

لیکن ائمہ مغرب کی تقلید کا معاملہ ہوتو ان کے 'دل کی پوشیدہ بے تابیاں' اور 'دیدہ تر کی بے خوابیاں' ان کے 'نالہ نیم شب کا نیاز' اور ان کے 'خلوت و انجمن کا گداز' اسے 'وقت کا تقاضا' قرار دے کر سندِ جواز بخش دیتا تھا۔ حالانکہ اقبالؒ اپنی زندگی کے آخری لمحے تک 'تقلیدِ مغرب' کی مخالفت کرتے رہے ہیں۔ اور یہ کسی ماں کے لعل کے بس کا روگ نہیں ہے کہ وہ تقلیدِ جامد کے حق میں کوئی ایسی توجیہ پیش کرسکے جیسی پرویز صاحب نے تقلیدِ قدیم کی مخالفت میں کی ہے جبکہ امر واقعہ یہ ہے کہ ڈارون، مارکس اور دیگر ائمہ مغرب کی تقلید سے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں مرتبہ یہ بہتر ہے کہ مسلم فقہا میں سے کسی کی اتباع کی جائے، لیکن پرویز صاحب نام کے 'غلام احمد' تھے، کام کے 'غلام احمد' نہ تھے اور اصلاً وہ 'غلامِ مغرب' تھے، اس لئے اُنہیں فقہاے اربعہ کی صورت میں 'غلامانِ احمد' کی بجائے فرنگی تہذیب کے 'عالمانِ مغرب' ہی عزیز تر تھے، اس لئے وہ اُن ہی کی تقلید و پیروی کرتے رہے ہیں، جس کے نتیجے میں 'مفکرِ قرآن' نے بڑی جانگسل محنتوں اور جگر پاش مشقتوں کے ساتھ قرآن مجید سے وہ کچھ کشید کر ڈالا جسے اہل مغرب بغیر کسی قرآن کے پہلے ہی سے اپنائے ہوئے ہیں۔

دسواں اختلاف معجزات کے بارہ میں

علامہ اقبالؒ اور پرویز صاحب میں جو اُمور مختلف فیہ تھے، ان میں ایک بڑا اور اہم اختلاف معجزات کے بارے میں بھی تھا۔ اوّل الذکر کے بارے میں مؤخر الذکر خود شہادت دیتے ہیں کہ

''آپ رسول اللہ ﷺ کے معجزات کے قائل تھے۔''[۱۹]

صرف رسول اللہ ﷺ ہی کے نہیں بلکہ علامہ اقبالؒ جملہ انبیا کے جملہ معجزات کے قائل تھے۔ لیکن اس کے برعکس پرویز صاحب معجزات کے قطعی منکر تھے۔ اگرچہ انکارِ معجزات کا

---

[۱۹] تصوف کی حقیقت، ص ۲۶۹

www.KitaboSunnat.com

مسلک اپنانے سے قبل ان پر ایک ایسا دور بھی گزرا ہے، جبکہ وہ انبیاے متقدمین کے معجزات کے (بظاہر) قائل تھے، اور معارف القرآن نامی سلسلۂ کتب میں وہ ان معجزات کو تسلیم کرتے رہے ہیں، لیکن ان ہی کتب کو جب 'جوئے نور'، 'برقِ طور' اور 'شعلۂ مستور' وغیرہ کتب میں ڈھالا تو ہر معجزے کا انکار کردیا، اور جن آیات میں ان معجزات کا ذکر ہے، اُنہیں مجازی معانی کی آڑ میں اپنی بدترین تحریفات کا اس طرح نشانہ بنایا کہ (ماضی کے) فرقہ باطنیہ کی طرف سے قرآن کے باطنی معانی کی آڑ میں کی گئی تحریفات بھی 'مفکرِ قرآن' کی تحریفات کے سامنے ماند پڑ گئیں۔ ان تحریفات کا تفصیلی پوسٹ مارٹم کرنا چونکہ میرے پیش نظر نہیں ہے، اس لئے میں بڑے اختصار کے ساتھ قرآن میں مذکور صرف ان معجزات تک ہی اپنی بحث کو محدود رکھنے پر مجبور ہوں جو علامہ اقبالؒ اور پرویز صاحب کے درمیان مختلف فیہ رہے ہیں۔

گیارہواں اختلاف 'آگ اور معجزۂ ابراہیمی'

علامہ اقبالؒ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس معجزہ کے قائل ہیں جسے قرآنِ کریم نے ﴿يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلَامًا عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ﴾ کے الفاظ میں پیش کیا ہے، وہ تلمیحاً اس کا ذکر یوں فرماتے ہیں:

ز انکہ مارا فطرتِ ابراہیمی است ہم بہ مولیٰ نسبت ابراہیمی است
از تہ آتش برانداز یم گل نارِ ہر نمرود را سازیم گل
شعلہ ہائے انقلاب روزگار چوں بباغ مارسد گردد بہار[20]

''(یعنی) چونکہ ہماری فطرت ابراہیمی ہے، اور اللہ تعالیٰ سے ہماری نسبت بھی ابراہیمی ہے۔ اس لئے ہم ہر آگ کے اندر سے پھول کھلاتے ہیں اور ہر نمرود کی آگ کو گلستان بنا دیتے ہیں۔ جب زمانے کے انقلابات کے شعلے ہمارے باغ تک پہنچتے ہیں تو وہ بہار بن جاتے ہیں۔''[21]

علامہ اقبالؒ کے یہ اشعار اس امر کی دلیل ہیں کہ وہ نارِ نمرود کے گل وگلزار ہوجانے کے معجزۂ ابراہیمی کے قائل ومعتقد تھے جبکہ 'مفکرِ قرآن' اس کے قطعی منکر ہیں اور اس واقعہ کو یوں بیان کرتے ہیں کہ قومِ نمرود نے حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں پھینکنے کا منصوبہ تو بنایا تھا لیکن

[20] اسرار ورموز، ص ۲۶۶ [21] اسرار ورموز، ص ۲۶۷

www.KitaboSunnat.com

حضرت ابراہیمؑ اس سے پہلے کہ وہ اپنے منصوبے پر عمل پیرا ہوتے وہاں سے ہجرت فرما گئے۔ چنانچہ پرویز صاحب لکھتے ہیں:

''اس سرکش قوم نے اپنے جوشِ انتقام میں یہ منصوبہ باندھا کہ حضرت ابراہیمؑ کو آگ کے انبار میں ڈال دیا جائے تاکہ ان کے معبود روز روز کی تحقیر و تذلیل سے محفوظ ہوجائیں، لیکن قبل اس کے کہ وہ ان پر ہاتھ ڈالتے، اب حکم خداوندی کے مطابق وہاں سے چپکے سے ہجرت کر گئے اور یوں وہ قوم اپنے ارادوں میں ناکام رہی۔''(۴۲)

'مفکرِ قرآن' یا کسی منکرِ حدیث سے یہ مت پوچھئے کہ اگر ابراہیم علیہ السلام آگ میں ڈالے جانے سے پہلے ہی ہجرت فرما گئے تھے، تو پھر اللہ کو آگ سے مخاطب ہوتے ہوئے کس کے لئے اور کیوں یہ کہنے کی ضرورت پڑی کہ ''اے آگ! تو سلامتی کے ساتھ ابراہیم پر ٹھنڈی ہوجا'' ورنہ انکارِ معجزہ کی یہ پوری عمارت، دھڑام سے نیچے آن گرے گی۔

یہاں قارئین کرام کے لئے یہ بات حیرت اور دلچسپی کا باعث ہوگی کہ 'جوئے نور' کی تصنیف سے پہلے 'معارف القرآن' جلد سوم جب تصنیف کی گئی تھی تو حضرت ابراہیمؑ کے آگ میں ڈالے جانے کا واقعہ اور ان پر آگ کی حرارت کے بے اثر ہوجانے کا معجزہ صفحہ ۲۷ پر خود پرویز صاحب نے بیان کیا تھا۔ لیکن جب 'جوئے نور' میں سرگزشتِ ابراہیمؑ کو منتقل کیا گیا تو یہ موقف اپنایا گیا کہ حضرت ابراہیمؑ تو آگ میں ڈالے جانے سے پہلے ہی نقل مکانی فرما چکے تھے، یوں اعترافِ معجزہ سے بال بال بچ جانے کا یہ حیلہ تراشا گیا۔ اب رہی سورۃ الانبیاء کی آیت نمبر ۶۹، جو اس معجزہ کی اصل و اساس ہے اور جس میں آگ کو حضرت ابراہیمؑ پر سلامتی کے ساتھ ٹھنڈی ہوجانے کا حکمِ خداوندی مذکور ہے، تو اسے 'جوئے نور' میں دیدہ دانستہ حذف کردیا گیا کیونکہ اب یہ آیت 'مفکرِ قرآن' صاحب کے تبدیل شدہ موقف کے خلاف تھی، اور اس سے بھی عبرتناک بات یہ ہے کہ 'مفکرِ قرآن' بڑے دھڑلے سے یہ اعلان بھی کرتے رہے ہیں:

''طلوعِ اسلام اسے بدترین جرم سمجھتا ہے کہ قرآن کی کسی آیت کو اس لئے سامنے نہ لایا جائے کہ وہ اس کے کسی پیش کردہ مسئلہ کے خلاف جاتی ہے۔''(۴۳)

(۴۲) جوئے نور، ص۱۲۳ (۴۳) طلوع اسلام، ۲۳ جولائی ۱۹۵۵ء ص۱۲

www.KitaboSunnat.com

اگرچہ تفسیر قرآن کے لئے وہ اس اُصولی ہدایت پر بھی زور دیتے ہیں جو محض لطفِ وعظ کے لئے ہے، عمل کے لئے نہیں ہے:

''آپ جس موضوع کے متعلق معلوم کرنا چاہیں کہ قرآن نے اس باب میں کیا کہا ہے، قرآن کے وہ تمام مقامات، آپ کے سامنے ہوں، جن میں اس نے اس موضوع کے متعلق کچھ کہا ہے، صراحتہً، کنایتہً، استعارتہً، تائیداً، تردیداً، اسے تصریفِ آیات کہتے ہیں۔''[۲۳]

اور خلافِ مطلب آیات سے چشم پوشی کرنا، شاید صرف عن الآیات یا تصرف فی الآیات کہلاتا ہے۔

بارہواں اور تیرہواں اختلاف بسلسلۂ معجزۂ عصاے موسیٰ

عصاے موسوی کے حوالہ سے قرآن میں بیان کردہ معجزات میں سے دو معجزوں کا ذکر علامہ اقبالؒ نے الوقت سیف کے زیرعنوان ان الفاظ میں کیا ہے:

سنگ از یک ضربت او تر شود
بحر از محرومی نم بر شود[۲۵]

''اس کی ایک ضرب سے پتھر پانی ہوجاتے ہیں اور سمندر پانی سے محروم ہوکر خشکی بن جاتا ہے۔''[۲۶]

دوسرے معجزہ کا ذکر اسی نظم میں ایک اور شعر میں بھی یوں کیا گیا ہے:

سینۂ دریاے احمر چاک کرد
قلزمے را خشک مثل خاک کرد[۲۷]

''اُنہوں نے بحراحمر کا سینہ چاک کردیا اور سمندر کو مٹی کی مانند خشک بنادیا۔''[۲۸]

﴿وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ﴾ (البقرۃ:۶۰)

''اور پھر (وہ واقعہ یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لئے پانی طلب کیا تھا، اور ہم نے حکم دیا تھا کہ 'اپنی لاٹھی سے پہاڑ کی چٹان پر ضرب لگاؤ' (تم دیکھو گے کہ پانی تمہارے لئے موجود ہے، موسیٰ نے اس حکم کی تعمیل کی) چنانچہ بارہ چشمے پھوٹ نکلے، اور تمام لوگوں نے اپنے اپنے

[۲۳] طلوع اسلام، جولائی ۱۹۷۴ء ص ۱۸ [۲۵] تا [۲۸] اسرار و رموز، ص ۱۶۸، ۱۶۹

www.KitaboSunnat.com

پینے کی جگہ معلوم کرلی۔''

آیت مع ترجمہ پرویز پیش کردی گئی۔ یہ ترجمہ معارف القرآن، جلد سوم/صفحہ ۲۷۴ سے ماخوذ ہے۔اس وقت پرویز صاحب معجزات کے قائل تھے،لیکن بعد میں جب اُنہوں نے انکارِ معجزات کا مسلک اپنایا تو پھر اسی آیت کا مفہوم مندرجہ ذیل الفاظ میں پیش فرمایا:

''تم اپنی تاریخ کے اس واقعہ کو بھی یاد کرو جب تمہیں پانی کی دقت ہوئی اور موسیٰ نے اس کے لئے ہم سے درخواست کی تو ہم نے اس کی رہنمائی، اس مقام کی طرف کردی جہاں پانی کے چشمے مستور تھے۔ وہ اپنی جماعت کو لے کر وہاں پہنچا، چٹان پر سے مٹی ہٹائی تو اس میں سے ایک دو نہیں بلکہ اکٹھے بارہ چشمے پھوٹ نکلے، اس نے ان چشموں کو نامزد کردیا اور ہر قبیلہ کو بتادیا کہ ان کا چشمہ کون سا ہے؟''[۲۹]

اس مفہوم میں ضربِ عصا کے نتیجہ میں بارہ چشموں کے پھوٹ نکلنے کا معجزہ تلاش کرپانا بجائے خود معجزہ ہوگا، جبکہ آیت کے مقابل دیے ہوئے ترجمہ پرویز میں معجزے کا ذکر واضح ہی ہے۔شعرا قبال اور آیت کے مفہومِ پرویز میں ضربِ عصاے موسوی کے معجزہ کی بابت دونوں کا اختلاف واضح ہے۔

❁ دوسرا معجزہ انفلاقِ بحر کا معجزہ ہے، آیت مع ترجمہ پرویز ملاحظہ فرمائیے:

﴿فَاَوْحَيْنَا إِلٰى مُوْسىٰ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ﴾ (الشعراء:۶۳)

''اور ہم نے موسیٰ کو وحی بھیجی کہ اپنے عصا سے سمندر کو مارو، پس وہ پھٹ گیا اور ہر حصہ ایک بڑے تودے کی طرح تھا۔''[۳۰]

اب اسی آیت کا وہ مفہوم بھی ملاحظہ فرمائیے جو پرویز صاحب نے انکارِ معجزات کا مسلک اپنانے کے بعد پیش کیا ہے:

''چنانچہ ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ اپنی جماعت کو لے کر (فلاں سمت سے) سمندر (یا دریا) کی طرف چلو اور وہاں سے انہیں اس راستے سے پار لے جاؤ جو خشک ہو چکا ہے۔''[۳۱]

---

[۲۹] مفہوم القرآن، ص۲۱ [۳۰] ترجمہ ماخوذ از معارف القرآن، ج۳، ص۲۶۰

[۳۱] مفہوم القرآن، ص۸۴۱

www.KitaboSunnat.com

اقبالؒ کا نام ذریعہ مطلب برآری

علامہ اقبالؒ اور پرویز صاحب کے یہ چند اختلافات، مشتے نمونہ از خروارے محض سرسری طور پر پیش کئے گئے ہیں، ورنہ اگر غائر نگہی سے جملہ اختلافات کا کھوج لگایا جائے تو ایسے کثیر التعداد اختلافات کی کثرت پر انسان انگشت بدنداں رہ جائے۔ تصوف کے اُمور میں تو اقبال اور پرویز کے اختلافات کی بہت سی مثالیں خود پرویز صاحب نے اپنی کتاب 'تصوف کی حقیقت' میں پیش کی ہیں، لیکن اقبالؒ کے ساتھ اس قدر برسراختلاف رہنے کے باوجود بھی پرویز صاحب نہ صرف یہ کہ اقبالؒ کے بارے میں انتہائی نرم گوشہ رکھتے تھے، بلکہ وہ خود کو (اور طلوعِ اسلام کو) فکرِ اقبال کا شارح اور وارث قرار دیتے تھے:

''فکرِ اقبال کی یہ متاعِ عزیز، آج بزمہائے طلوعِ اسلام کا بیش بہا سرمایہ ہے، اور یہ کاروانِ شوق اس سرمائے کا حقیقی وارث بھی ہے اور مخلص ترین امین بھی۔''[۴۲]

فکرِ اقبالؒ کی تفہیم، خدمت اور اشاعت اگرچہ دوسرے گوشوں سے بھی ہورہی ہے، لیکن وابستگانِ طلوعِ اسلام، پیغامِ اقبالؒ کے صحیح اور حقیقی فہم کا واحد اور مؤثر ذریعہ..... اقبال کے ساتھ جملہ اختلافات کے باوجود.....صرف پرویز ہی کو تسلیم کرتے ہیں:

''اقبالؒ کو سمجھنے کے لئے تاریخ و فلسفہ کی وسیع واقفیت و استحضار کے ساتھ، قرآنِ حکیم پر بھی حکیمانہ نظر کی ضرورت ہے اور اقبال پر لکھنے اور بولنے والوں میں، یہ جامعیت خال خال نظر آتی ہے، اور خوش قسمتی سے پرویز صاحب کو فطرت نے ایسا ہی جامع ذہن عطا کیا ہے۔''[۴۳]

پرویز صاحب کے پورے لٹریچر اور طلوعِ اسلام کی مکمل فائل کی روشنی میں، اگر کوئی شخص، اُن کے اور مولانا مودودیؒ کے درمیان باہمی اختلافات کا جائزہ لے تو وہ ان کی تعداد ان اختلافات سے بہت کم پائے گا جو پرویز صاحب اور علامہ اقبالؒ کے درمیان پائے جاتے ہیں، لیکن 'مفکرِ قرآن' نے (عدل و انصاف، امانت و دیانت اور حق وصداقت کو بالائے طاق رکھتے ہوئے) مودودیؒ صاحب کی مخالفت میں تو جس انتہائی شدت و غلظت، درشت خوئی اور تلخ نوائی سے کام لیا ہے، وہ ان کے اس دُہرے معیار اور جانبدارانہ رویے کا غماز ہے، جو وہ

---

[۴۲] طلوع اسلام، جولائی ۱۹۵۹ء، ص۴۲ [۴۳] طلوع اسلام، فروری ۱۹۵۳ء، ص۲۷

www.KitaboSunnat.com

دونوں بزرگوں کی حقیقی قدر و قیمت متعین کرنے میں اختیار کیا کرتے تھے۔ سوال یہ ہے کہ مودودیؒ صاحب سے چند اختلافات کے باوجود اور علامہ اقبالؒ سے کہیں زیادہ اختلافات کے باوجود، مولانا مودودیؒ کی انتہائی شدید مخالفت اور علامہ اقبالؒ کی بے تحاشا حمایت، آخر 'مفکر قرآن' نے کیوں کی؟

میرے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ علامہ اقبالؒ اور مودودیؒ، دونوں بین الاقوامی شہرت کی حامل شخصیتیں ہیں اور پرویز صاحب خود ہوسِ شہرت کے مریض تھے۔ 'پاپولیریٹ' اور ناموری پانے کے لئے اُنہوں نے ان دونوں عالمی شہرت یافتہ ہستیوں میں سے، ایک کی حمایت و پاسداری کو اور دوسرے کی مخالفت و معاندت کو حصولِ مقصد کا ذریعہ بنایا۔ علامہ اقبالؒ کی بھاری بھر شخصیت کی مدح سرائی کے نتیجہ میں حقیر سی آہنی کیل کو بھی وزنی لکڑی کے ساتھ تیرنے کا موقع مل گیا، اور دوسری طرف مولانا مودودیؒ کے ساتھ مسلسل ٹکراتے رہنے کو پرویز صاحب نے تمنا برآری کا ذریعہ سمجھا، یہ الگ بات ہے کہ چھپکلی خواہ کتنی ہی بلند بام ہوجائے، وہ بہرحال چھپکلی ہی رہتی ہے۔ اونچے شہتیروں اور بلند ستونوں سے اُلجھنے سے اس کی قدر ومنزلت میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔

علاوہ ازیں مولانا مودودیؒ کی مخالفت میں یہ عامل بھی کارفرما نظر آتا ہے کہ چونکہ سیاسی میدان میں سیکولر مزاج حکمرانوں کی طرف سے مودودیؒ صاحب کی مخالفت پہلے سے موجود تھی، اس لئے پرویز صاحب نے یہ محسوس کیا کہ اگر وہ اسی مخالفت میں شامل ہوجائیں تو یہ روش ان کی شہرت میں اضافے کا باعث بھی ہوگی اور حکمرانوں کے بھی وہ منظورِ نظر رہیں گے، دوسری طرف اقبال کو قومی شاعر ہونے کی بنا پر اُمتِ مسلمہ میں جو احترام، عزت اور پذیرائی حاصل ہے، اس کی بنا پر ان کی حمایت و ہم نوائی، ان کی شہرت کے لئے موجبِ منفعت ہوگی، نام اقبال سے فائدہ اٹھانے کی یہ وہی ٹیکنیک ہے جو یہود و نصاریٰ جیسی گمراہ قوموں نے حضرت ابراہیمؑ وغیرہ کے ناموں سے فائدہ اٹھانے کے لئے اپنا رکھی تھی جیسا کہ مندرجہ ذیل واقعہ سے واضح ہے:

www.KitaboSunnat.com

حکومت کویت نے جب غلام احمد پرویز اور اس کے پیروکاروں پر کفر کا فتویٰ جاری کیا تو یہ لوگ بہت سٹپٹائے

''اس ناگہانی صورتحال کے نتیجے میں بزمِ طلوعِ اسلام کے سرکردہ پرویزیوں کا ایک وفد، ہنگامی طور پر اپنے مرکز گلبرگ لاہور سے کویت پہنچا، اور نجی سطح پر اپنا تمام تر اعلیٰ اثر ورسوخ استعمال کرتے ہوئے، کویتی سرکاری فتویٰ کی تنسیخ کی سرتوڑ کوشش کی، ساتھ ہی ساتھ ملک معراج خالد اور دیگر بااثر پرویزی سرپرستوں سے، حکومتِ کویت اور بعض اہم شخصیات کے نام خطوط بھی لکھوائے گئے، جن میں غلام احمد پرویز کو نام نہاد مفکر قرآن کی حیثیت سے متعارف کرواتے ہوئے، علامہ اقبال کے فہم قرآن کا وارث قرار دیا گیا۔''[۳۳]

یوں کویت میں اقبال کے نام کو مقصد برآری کے لئے استعمال کیا گیا۔ لیکن بہرحال جب یہ ساری کوششیں ناکام ہوگئیں اور حکومتِ کویت نے اپنے فتویٰ کو برقرار رکھا تو بزمِ طلوع اسلام کی کویتی شاخ کے ذریعہ عدالتی چارہ جوئی کی گئی تاکہ یہ فتویٰ منسوخ ہوجائے اور ساتھ ہی مولانا احمد علی سراج کے خلاف بھی (جو اس کویتی فتویٰ کے اجرا میں مرکزی کردار تھے) ایک مقدمہ دائر کردیا گیا جس میں ان کی پرویزی مخالفت کو ذاتی مخالفت قرار دیا گیا۔ اس (ناکام) کوشش میں کامیابی پانے کے لئے، جو خیانت کارانہ ہتھکنڈے اختیار کئے گئے ان میں ایک درج ذیل ہے:

''یہاں ایک اور امر بھی قابل غور ہے جس سے بزمِ طلوع اسلام (پرویز لابی) کی ایک اور مکارانہ منافقت خوب عیاں ہوجاتی ہے، اپنی پٹیشن (Petition) میں اس بزم کے موجودہ سربراہ نے حیلہ ودھوکہ دینے کے لئے یہ موقف اختیار کیا کہ غلام احمد پرویز محض ایک شخص تھا جو ۱۹۸۵ء میں مرا۔ بزمِ طلوعِ اسلام، اس کے افکار ونظریات کی پابند نہیں، بلکہ یہ اقبال کے فکر قرآن کی ترجمان ہے، اور اُسی کو پھیلانے کے مشن پر گامزن ہے، اور اقبال سے عوام وخواص کا کوئی اختلاف نہیں، اور یہ کہ طلوعِ اسلام نام بھی اقبال ہی کی ایک نظم سے ماخوذ ہے، لہٰذا

---

[۳۳] مجموعہ فتاویٰ، ردِ پرویزیت، (از مولانا ڈاکٹر احمد علی سراج، امیر تحریک ردّ پرویزیت، امیر انٹرنیشنل ختم نبوت موومنٹ کویت، مرشد دینی برائے حج ووزارتِ اوقاف: کویت، رئیس حلقات تعلیم القرآن (دعوۃ والتعلیم) کویت، ڈائریکٹر جنرل جامعہ سراج العلوم دارالقرآن، ڈیرہ اسماعیل خاں، پاکستان) جلد دوم، ص ۲۵

www.KitaboSunnat.com

بزمِ طلوعِ اسلام کو کفر وارتداد سے مبرا قرار دیا جائے۔''[۳۴]

یوں یہ لوگ علامہ اقبال کے نام کو اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لئے، ان پرویزی حیلوں کے ساتھ استعمال کیا کرتے ہیں۔ سچ ہے:

ع عقل عیار ہے سو بھیس بدل لیتی ہے

پاکستان کے سیکولر حکمران (جن کی ذہنی نشوونما مغربی نظریات کا دودھ پی پی کر ہوئی ہے) آج جس طرح کفر کی طاقتوں کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں، اور ملکی حدود میں جس طرح غیر ملکی سرمایہ کے بل پر NGOs، مسلمانانِ پاکستان میں فکری انتشار اور عملی فساد پیدا کر رہی ہیں، اُن کے ساتھ منکرین حدیث اپنے لٹریچر کے ذریعہ بالکل اسی طرح تعاون کر رہے ہیں جس طرح عہدِ نبوی میں منافقین مدینہ، کفر کی بیرونی طاقتوں کی حمایت و اعانت کیا کرتے تھے۔ خود طلوعِ اسلام کو بھی اس بات کا نہ صرف یہ کہ اعتراف ہے بلکہ اس پر فخر بھی ہے۔ چنانچہ 'عورتوں کے حقوق' پر بات کرتے ہوئے طلوعِ اسلام بڑے فخر و انبساط کے ساتھ یہ اعلان کرتا ہے:

''طلوعِ اسلام نے ہی اس کے لئے بہت کثیر تعداد میں مضامین و مقالات طبع کئے ہیں جن کا بہت مفید اثر، نہ صرف عوام پر ہوا ہے، بلکہ عورتوں سے متعلق این جی اوز نے ان سے بھرپور فائدہ اٹھایا ہے۔ راقم سطور کا ذاتی تجربہ ہے کہ ان تمام این جی اوز میں طلوعِ اسلام کی شائع کردہ کتاب 'طاہرہ کے نام خطوط' موجود رہتی ہے جس میں عورتوں کے حقوق سے بحث کی گئی ہے۔ اس سے یہ این جی اوز وقتاً فوقتاً فائدہ اُٹھاتے رہتی ہیں۔''[۳۵]

پرویز صاحب کی ایسی ہی 'قرآنی خدمات' پر پیشوایانِ مغرب بڑے شاداں و فرحاں ہیں اور طلوعِ اسلام، عالم کفر میں پرویز صاحب کی پذیرائی اور قدر افزائی پر خوشی سے پھولا نہیں سماتا اور بڑی مسرت و شادمانی کے ساتھ یہ اعلان کرتا ہے:

''ڈاکٹر Dr. Freeland Abbot امریکہ کی TUFTS یونیورسٹی کے شعبۂ تاریخ کے صدر اور بین الاقوامی شہرت کے مالک ہیں، اُنہوں نے 'اسلام اینڈ پاکستان' کے نام سے ۱۹۶۸ء میں ایک بلند پایہ کتاب شائع کی تھی۔ اس میں اُنہوں نے فکرِ پرویز اور تحریکِ طلوعِ اسلام کے

---

[۳۴] مجموعہ فتاویٰ، ردِ پرویزیت، ص ۲۶ [۳۵] طلوعِ اسلام، جون ۲۰۰۵ء، ص ۲۹

www.KitaboSunnat.com

متعلق بڑی تفصیل سے دادِ تحسین دینے کے بعد کہا ہے کہ ...... 'پرویز صاحب اس وقت پاکستان کے سب سے بڑے فعال اسلامی ریفارمر ہیں' ...... یہ کتاب فکر پرویز کو دُور دراز گوشوں تک متعارف کرانے کا موجب بن گئی ہے۔''[۳۷]

علمبردارانِ کفر و طاغوت کے ہاں پرویز صاحب کی اس تعریف و تحسین سے، اور پھر طلوع اسلام کی اس پر انتہائی فرحت و مسرت سے، ایک بندۂ مومن کو علم الیقین حاصل ہوجاتا ہے کہ 'مفکر قرآن' صاحب ان لوگوں میں شامل ہیں جن کے متعلق قرآن کہتا ہے:

﴿أَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ﴾

اب غور طلب بات تو یہ ہے کہ پرویز صاحب کی جن 'قرآنی خدمات' اور جس 'انقلابی اسلام' سے یہود و نصاریٰ کے احبار و رہبان، کفر و الحاد کے پیشوا، لادینیت کے حامل دانشور اور سیکولرزم سے وابستہ مفکرین تو راضی اور خوش ہوں، مگر عالم اسلام کے علما ان 'قرآنی خدمات' اور اس 'انقلابی اسلام' کی بنا پر ایک دو نہیں بلکہ سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں 'مفکر قرآن' پر کفر کے فتوے لگا رہے ہیں تو خود سوچ لیجئے کہ یہ 'قرآنی خدمات' اور 'یہ انقلابی اسلام' محمد رسول اللہ ﷺ کے کام کی چیزیں ہیں یا اُن کے دشمنوں کے کام کی؟ (ختم شد)

---

[۳۷] طلوع اسلام، نومبر ۱۹۷۶ء، ص ۵۸

اگر آپ سمجھتے ہیں کہ

- محدث دفاعِ دین کے سلسلے میں نمایاں کردار ادا کر رہا ہے؟
- محدث کے ذریعے اُمتِ مسلمہ کی درست سمت میں رہنمائی کی جارہی ہے؟
- محدث کے مضامین علم و تحقیق کے بلند معیار پر پورے اُترتے ہیں؟
- محدث کے مطالعے سے آپ کی علمی معلومات میں قابل قدر اضافہ ہوتا ہے؟

تو پھر 'محدث' کو ہر اہم جگہ تک پہنچانے کے لئے اپنے حصہ کا فرض ادا کیجئے ......

آپ کی صرف ایک فون کال یا SMS پر محدث کا تازہ شمارہ یا نمونہ کے سابقہ شمارے مطلوبہ پتہ پر مفت ارسال کئے جاسکتے ہیں۔

0333-4244434

www.KitaboSunnat.com

فقہ واجتہاد
آخری حصہ ④
ڈاکٹر صالح بن حسین العاید
مترجم: محمد اسلم صدیق

بلادِ اسلامیہ میں غیر مسلموں کے عام حقوق

⑦ غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک کا حق

قرآنِ کریم نے اس سلسلہ میں یہ عظیم اور اساسی اُصول بیان کیا ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ برتاؤ اور لین دین میں اصل یہ ہے کہ ان کے ساتھ حسن سلوک کا رویہ اختیار کیا جائے اور ان کے ساتھ نیکی اور احسان کرنے میں اس وقت تک ہاتھ نہ کھینچا جائے جب تک ان کی طرف سے صریح دشمنی اور عہد شکنی کا کوئی عملی مظاہرہ نہیں ہوتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ○ إِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قَاتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَأَخْرَجُوْكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوْا عَلٰى إِخْرَاجِكُمْ أَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَأُولٰئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾

''اللہ تمہیں اس بات سے نہیں روکتا کہ تم ان لوگوں کے ساتھ نیکی اور انصاف کا برتاؤ کرو جنہوں نے دین کے معاملہ میں تم سے جنگ نہیں کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا ہے، اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ وہ تمہیں جس بات سے روکتا ہے وہ تو یہ ہے کہ تم ان لوگوں سے دوستی کرو جنہوں نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ کی ہے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے اور تمہارے اِخراج میں ایک دوسرے کی مدد کی ہے، ان سے جو لوگ دوستی کریں، وہی ظالم ہیں۔''

مذکورہ آیت میں لفظ بِرّ (بھلائی)، معاملہ حسنہ (حسن سلوک) سے زیادہ وسیع مفہوم کا حامل ہے۔ یہ لفظ حسن سلوک کے علاوہ اور معانی بھی اپنے اندر رکھتا ہے۔ امام قرافیؒ اس کا مفہوم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ان کے کمزور لوگوں پر نرمی کی جائے۔ ان کے محتاجوں کی ضروریات کو پورا کیا جائے۔ ان

www.KitaboSunnat.com

کے بھوکوں کو کھانا کھلایا جائے، ان کے بے لباسوں کو لباس مہیا کیا جائے، ان کے ساتھ ازراہِ تلطف نرمی سے گفتگو کی جائے۔ ان پر خوف اور ذلت مسلط نہ کی جائے، ان کے پڑوس میں رہتے ہوئے اگر ان کی طرف سے کوئی اذیت پہنچے تو ازراہِ کرم اسے برداشت کیا جائے۔ ان کے لئے ہدایت کی دعا کی جائے کہ اللہ تعالیٰ اُنہیں سعادت مندوں میں سے بنا دے۔ دین ودنیا کے تمام معاملات میں ان کے ساتھ خیر خواہی کی جائے۔ ان کی عدم موجودگی میں اگر کوئی شخص ان کی عزت، مال ومتاع اور اہل وعیال کے درپے ہو تو اس کی حفاظت کا سامان کیا جائے، الغرض ان کے تمام حقوق اور مصالح کا تحفظ کیا جائے اور دستِ ظلم کو ان کی طرف بڑھنے نہ دیا جائے اور ان کے تمام حقوق ان کے گھر کی دہلیز تک پہنچائے جائیں۔''[۳۳]

کلام الٰہی کی یہ توجیہ محض کاغذی قانون اور پڑھنے کی حد تک نہیں ہے، بلکہ اس کے پیچھے عملی نفاذ کی ایک شاندار تاریخ بھی موجود ہے۔ پیغمبر اسلام، خلفاے راشدین اور دیگر مسلم حکمرانوں سے لے کر عامۃ المسلمین تک ایسے متعدد واقعات اَوراقِ تاریخ میں آپ کو ملیں گے جن سے تاریخ کا چہرہ ضیا یاب ہوا، خصوصاً رسول اللہ ﷺ کا غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک کا رویہ اسلامی تاریخ کا روشن باب ہے۔ غیر مسلموں کے ساتھ آپؐ کا پڑوس رہا، آپؐ نے ہمیشہ ان کے ساتھ بھلائی اور حسن سلوک کا رویہ اختیار کیا، آپ ﷺ ان کو تحفے تحائف دیتے اور ان کے تحفے اور دعوتیں قبول کرتے تھے لیکن دوسری طرف سے اس کا جواب کیا ملا؟

کاش تاریخ کا وہ واقعہ بھی غیر مسلموں کو یاد رہتا کہ ایک یہودی عورت نے آپ کو دعوت پر بلایا اور بکری کے پائے کے گوشت میں زہر ملا کر آپ کو شہید کرنا چاہا تھا۔[۳۴]

◉ آپ ﷺ غیر مسلم مریضوں کی بیمار پرسی کرتے، ان پر صدقہ وخیرات کرتے، ان کے ساتھ تجارتی لین دین کرتے، کتبِ احادیث میں یہ واقعہ موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک یہودی گھرانے کو صدقہ دیا کرتے تھے[۳۵] اور مسلمانوں نے آپ کے بعد اس گھرانے کے صدقہ کو برابر جاری رکھا۔

◉ ابوقتادہؓ بیان کرتے ہیں کہ حبشہ سے عیسائیوں کا ایک وفد مدینہ منورہ آیا تو رسول

---

[۳۳] الفروق ۱۵/۳، الأقليات الدينية والحل الإسلامي: ۴۵، ۴۶

[۳۴] سنن أبي داود: ۳۹۱۱

[۳۵] کتاب الأموال، از عبید قاسم بن سلام: ۶۱۳

www.KitaboSunnat.com

اللہ ﷺ نے اُنہیں اپنی مسجد میں ٹھہرایا اور خود اپنے ہاتھ سے ان کی ضیافت و خدمت کے فرائض انجام دیئے۔ آپ ﷺ کا ان حبشیوں کے ساتھ عمدہ اخلاق اور حسن سلوک یہ مظاہرہ ان کے اس حسن سلوک کا بدلہ تھا جو اُنہوں نے مہاجرین حبشہ کے ساتھ روا رکھا تھا، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: «إنهم كانوا لأصحابنا مكرمين فأحب أن أكرمهم بنفسي»

"اُنہوں نے ہمارے اصحاب کی عزت افزائی کی تھی تو کیوں نہ میں خود ان کی عزت وتکریم کروں۔"[۳۷]

◉ اور آپ ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کی بھی حسن سلوک کے اسی نہج پر تربیت فرماتے، آپ ﷺ نے بسوس و داحس اور فجار ایسی خون آشام داستانوں کی گود میں پرورش پانے والوں کو صبر وتحمل کا پیکر بنا دیا تھا۔ علامہ ابن کثیرؒ بیان کرتے ہیں کہ

"زید بن سعنہ نامی ایک یہودی نے رسول اللہ ﷺ سے اپنا قرض واپس لینا تھا، وہ قرض مانگنے آیا اور آ کر رسول اللہ ﷺ کا گریبان اور چادر پکڑ لی اور زور سے کھینچا۔ وہ گالیاں بھی بک رہا تھا اور ساتھ رسول اللہ ﷺ کو غضب آلود نگاہوں سے دیکھ رہا تھا، کہنے لگا: اے محمدؐ! کیا میرا قرض ادا نہیں کرو گے؟ تم اے عبدالمطلب کی اولاد! بڑے بدمعاملہ لوگ ہو۔ اس کا طرزِ گفتگو انتہائی جارحانہ تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اس یہودی کی طرف دیکھا، ان کی نگاہیں اس کے سر میں یوں گھوم رہی تھیں جیسے کشتی بھنور میں چکر لگاتی ہے۔ پھر کہا: اے اللہ کے دشمن! اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ یہ بدکلامی اور بے باکی جو میں سن رہا ہوں؟ کیا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تیرا یہ سلوک جو میں دیکھ رہا ہوں۔ اس ذات کی قسم، جس نے آپ ﷺ کو حق دے کر بھیجا ہے! اگر مجھے آپؐ کی ملامت کا ڈر نہ ہوتا تو میں تلوار سے تیرا سر قلم کر دیتا۔ رسول اللہ ﷺ سکون اور محبت کے ساتھ عمرؓ کو دیکھ رہے تھے اور مسکراہٹ آپؐ کے چہرے پر پھیل گئی تھی۔ پھر فرمایا: «أنا وهو يا عمر كنا أحوج إلى غير هذا منك يا عمر: أن تأمرني بحسن الأداء وتأمره بحسن التقاضي اذهب به يا عمر فاقضه حقه وزده عشرين صاعًا من تمر» "مجھے اور اس (یہودی) کو اے عمر، اس وقت جس چیز کی سب سے زیادہ ضرورت ہے، وہ یہ کہ مجھے حسن ادائیگی کی تلقین کرو اور اسے حسن

[۳۷] معجم الشيوخ: ۹۷/۱، مكارم الأخلاق: ۱۱۱/۱، التذكرة الحمدونية: ۹۵/۳، من روائع حضارتنا: ۱۳۴

www.KitaboSunnat.com

تقاضا کی تلقین کرو۔ جاؤ اے عمر! اس کو ساتھ لے لو اور اس کا قرض ادا کرو اور ۲۰ صاع کھجور زیادہ دے دو۔'' یہودی نے یہ پیغمبرانہ رویہ دیکھا تو بول اُٹھا:

أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمداً عبده ورسوله[۳۸]

''میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ یقیناً اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔''

صبر وتحمل کی یہ انتہائی مثال ہے جو ہمیں کسی دوسری جماعت کی تاریخ میں نہیں مل سکتی۔

◉ سیرتِ نبویؐ کا ایک اور ورق پلٹئے۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس یہود کے کچھ لوگ آئے اور کہا: السام علیکم (تم پر ہلاکت ہو) آپ ﷺ نے جواب دیا: وعلیکم (تمہارے اوپر) حضرت عائشہؓ کہتی ہیں: میں یہودیوں کی بات سمجھ گئی اور میں نے کہہ دیا: وعلیکم السام واللعنة (تمہارے اوپر ہلاکت اور لعنت ہو) تو آپ ﷺ نے فرمایا: عائشہ یوں نہ کہو! اللہ تعالیٰ معاملات میں نرمی کو پسند کرتا ہے۔ میں نے کہا: اللہ کے رسول ﷺ، کیا آپؐ نے ان کی بات نہیں سنی؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے کہہ تو دیا تھا کہ تمہارے اوپر ہو۔[۳۹]

◉ رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ نے بھی غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک اور رواداری میں آپؐ کی سیرت کو نقش قدم بنایا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے جب ایک تنگ دست یہودی کو بھیک مانگتے دیکھا تو بیت المال سے ہمیشہ کے لئے اس کا اور اس کے اہل وعیال کا روزینہ مقرر کردیا اور بطورِ دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان پیش کیا:

﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ وَفِي سَبِيْلِ اللهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللهِ وَاللهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ (التوبہ:۶۰)

''صدقات صرف فقیروں اور مسکینوں کے لئے ہیں اور ان لوگوں کے لئے جو صدقات کے کام پر مامور ہیں اور ان کے لئے جن کی تالیفِ قلبی مطلوب ہو، نیز یہ کہ گردنوں کے چھڑانے اور قرض داروں کی مدد کرنے کے لئے ہیں اور راہ خدا میں اور مسافر نوازی میں استعمال کرنے

---

[۳۸] البداية والنهاية ۳/۵۰۷، دلائل النبوة: ۴۸

[۳۹] صحيح البخاري: ۷/۸۰، صحیح مسلم: ۱/۱۷۰۶

www.KitaboSunnat.com

کے لئے ، یہ ایک فریضہ ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ سب کچھ جاننے والا اور دانا و بینا ہے۔''

◉ آپؓ نے تنگ دست اہل کتاب کو بھی مساکین کے زمرہ میں شامل کرکے اُنہیں بھی زکوٰۃ وصدقات کا مستحق قرار دیا۔[40]

◉ جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ اپنے ہمسایوں کے ساتھ بہت زیادہ احسان کیا کرتے تھے، بلکہ اپنے غلام کو یہودی ہمسایہ کے گھر قربانی کا گوشت پہنچانے کی بار بار تاکید فرماتے۔[41] غلام بڑا حیران ہوا اور یہودی ہمسایہ کے ساتھ اس عنایت کا راز پوچھا تو حضرت عمروؓ بن العاص نے جواب میں رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان پیش کیا:

«ما زال جبريل يوصيني بالجار ، حتى ظننت أنه سيورّثه»[42]

''جبریل مجھے پڑوس کے متعلق مسلسل وصیت کرتے رہے حتیٰ کہ مجھے خیال ہوا کہ وہ پڑوس کو وراثت میں حصہ دار بنا دیں گے۔''

◉ تاریخ نے ہمارے لئے ایک نہایت جامع اور بے نظیر قانونی دستاویز محفوظ کی ہے جو ایک مسلم حکمران محمد بن عبداللہ سلطانِ مغرب نے ۲۶ شعبان ۱۲۸۰ھ بمطابق ۵ فروری ۱۸۶۴ء کو یہودی باشندوں کے متعلق وہاں کے گورنروں کے لئے لکھی تھی۔ اُنہوں نے لکھا:

"نأمر من يقف على كتابنا هذا من سائر خدامنا وعمّالنا والقائمين بوظائف أعمالنا: أن يعاملوا اليهود الذين بسائر إيالتنا بما أوجبه الله تعالىٰ من نصب ميزان الحق، والتسوية بينهم وبين غيرهم في الأحكام، حتى لا يلحق أحدًا منهم مثقال ذرة من الظلم، ولا يضام ولا ينالهم مكروه ولا اهتضام وأن لا يعتدوا هم ولا غيرهم على أحد منهم في أنفسهم، ولا في أموالهم، وأن لا يستعملوا أهل الحِرَفِ منهم إلا عن طيب أنفسهم، وعلى شرط تَوْفِيَتِهِمْ بما يستحقونه على عملهم؛ لأن الظلم ظُلُمَاتٌ يوم القيامة، ونحن لا نوافق عليه، لا في حقهم ولا في حق غيرهم ولا نرضاه ؛ لأن الناس كلهم عندنا في الحق سواء،

---

[40] الخراج:٢٦،غير المسلمين في المجتمع الإسلامي:٥١

[41] سنن الترمذي:١٨٦٦

[42] صحيح البخاري :٣٦٩/١٠،٣٧٠

www.KitaboSunnat.com

ومن ظلم أحدا منهم، أو تعدى عليه، فإنا نعاقبه بحول الله.
وهذا الأمر الذي قررناه وأوضحناه وبيناه كان مقررا ومعروفا ومحررا، لكن زدنا هذا المسطور تقريرًا وتأكيدًا ووعيدًا في حق من يريد ظلمهم وتشديدا؛ ليزيد اليهود أمنًا إلى أمنهم، ومن يريد التعدي عليهم خوفا إلى خوفهم.''[۴۳]

''تمام گورنروں، ملازمین اور حکومت کے کسی بھی شعبہ سے منسلک تمام افراد کے لئے ہمارا یہ حکم ہے کہ وہ ہمارے تمام صوبوں میں بسنے والے یہودیوں کے لئے حق و انصاف کا ترازو قائم کریں، جس کا اللہ نے انہیں حکم دیا ہے۔ فیصلوں میں ان کے اور دیگر لوگوں کے درمیان اس طرح مساوات قائم کریں کہ کسی یہودی کو ذرّہ برابر بھی ظلم وستم اور تکلیف نہ پہنچنے پائے۔ ان کی جانوں اور اَموال پر نہ تو خود زیادتی کریں اور نہ کسی دوسرے کو کرنے دیں اور ان میں سے اہل صنعت وحرفت لوگوں سے کوئی ایسا کام نہ لیا جائے جس پر وہ راضی نہ ہوں اور اُنہیں ان کے کام کا پورا پورا معاوضہ دیا جائے جس کے وہ واقعی مستحق ہیں کیونکہ ظلم دراصل روزِ قیامت کی ظلمتیں ہیں، جس کے ہم روادار نہیں ہوسکتے، نہ ان کے حقوق میں اور دوسروں کے حقوق میں۔ حقوق کے سلسلہ میں ہمارے نزدیک سب لوگ برابر ہیں، جس نے ان پر کسی قسم کی ظلم وزیادتی کی، اللہ کی توفیق سے ہم اسے ضرور سزا سے دوچار کریں گے۔

یہ حکم نامہ جو میں نے بیان کیا ہے، اگرچہ یہ پہلے سے معروف اور تحریر شدہ موجود ہے لیکن ان سطور کا اضافہ محض تاکید اور اس شخص کو خبردار کرنے کیلئے ہے جو اہل یہود پر کسی ظلم اور زیادتی کا خواہاں ہے تاکہ ظالم کو کان ہوجائیں اور اہل یہود کے امن وامان میں اضافہ ہوجائے۔''

◉ بے شمار انصاف پسند مغربی مفکرین نے بھی مسلمانوں کی اس عظیم خوبی کا اعتراف کیا ہے۔ مشہور مستشرق رینو لکھتا ہے:

''اندلس میں مسلمانوں کا وہاں کے عیسائی باشندوں کے ساتھ نہایت اچھا سلوک تھا، اسی طرح نصاریٰ نے بھی مسلمانوں کے جذبات کا لحاظ رکھا۔ وہ اپنی اولاد کا ختنہ کرتے تھے اور خنزیر کا گوشت نہیں کھاتے تھے۔''[۴۴]

◉ بلکہ ڈاکٹر گوسٹاف لیبن (Gustav LeBon) نے دیگر اقوام عالم میں اس تیزی کے

[۴۳] الأقليات الدينية والحل الإسلامي: ۵۸، ۵۹ [۴۴] من روائع حضارتنا: ۱۴۷

www.KitaboSunnat.com

ساتھ اسلام کے پھیلنے کو مسلمانوں کے انکے ساتھ حسن سلوک کا مرہون قرار دیا ہے۔لکھتا ہے:

''اسلام کی واضح اور عالمگیر تعلیمات اور اسکے نظامِ عدل واحسان نے اقوامِ عالم میں اشاعت اسلام میں بھرپور کردار ادا کیا ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ یہی وہ امتیازی خصوصیات تھیں جو بے شمار عیسائی اقوام کے قبولِ اسلام کا باعث ہوئیں۔مصریوں کو دیکھئے، وہ قیصروں کے دورِ حکومت میں نصرانی تھے،لیکن جب وہ اسلام کے اُصولوں سے واقف ہوئے تو وہ مسلمان بن گئے۔اسی طرح کوئی قوم بھی اسلام کو دل سے قبول کرنے کے بعد دوبارہ عیسائی نہیں ہوئی،قطع نظر اس سے کہ یہ اُمت غالب تھی یا مغلوب تو اس کی وجہ بھی اسلام کی ہی امتیازی خصوصیات تھیں۔[۴۵]

⑧ باہمی تعاون وکفالت کا حق

بعض ممالک کو مفلس اورمحتاج لوگوں کے لئے سوشل ویلفیئر کی فراہمی پر فخر ہے۔یہ بلاشبہ ایک قابل ستائش امر ہے لیکن ہر شخص اپنے تئیں اس حقیقت کا اعتراف کرنے پر مجبور پائے گا کہ اسلام ان ممالک سے چودہ صدیاں قبل باہمی تعاون اور سوشل ویلفیئر کا ایک پورا نظام دنیا کے سامنے پیش کر چکا ہے۔

اس وقت میرا موضوع یہ نہیں کہ شریعتِ اسلامیہ نے مسلمان مفلسوں اورمحتاجوں کے لئے باہمی تعاون کے کیا کیا اسباب مہیا کئے ہیں۔اس کے لئے زکوٰۃ اورصدقات وخیرات کا ایک وسیع نظام موجود ہے،جس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔مقصود اس وقت یہ واضح کرنا ہے کہ اجتماعی کفالت کی یہ قسم اسلامی معاشرے میں بسنے والے غیر مسلموں کو کس حد تک شامل ہے۔تو حقیقت یہ ہے کہ شریعتِ اسلامیہ نے ازکارِ رفتہ اورمعذور انسانوں کی کفالت کے لئے باقاعدہ ایک نظام وضع کیا ہے۔خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم،اسلام مسلم حکومت پر ان کی کفالت کو فرض قرار دیتا ہے، اسلامی بیت المال ان کی کفالت کا ذمہ دار ہوگا اور اگر کوئی حکومت اس حق کی فراہمی میں کوتاہی کی مرتکب ہوگی تو اسلام کی نظر میں وہ مجرم ہے۔

◉ خلفا اور مسلم حکمرانوں نے غیر مسلموں کے لئے باہمی تعاون اور اجتماعی کفالت کے اس حق کی پاسبانی کا جس طرح حق ادا کیا،تاریخ اسلامی نے اس کی متعدد مثالیں اپنے دامن میں محفوظ کی ہیں۔ان میں سے ایک واقعہ امام ابو یوسفؒ نے[۴۶] عمر بن نافع ،عن ابی بکر کے

---

[۴۵] حضارۃ العرب:۱۲۵ [۴۶] کتاب الخراج :۱۳۶

www.KitaboSunnat.com

حوالہ سے بیان کیا ہے کہ

امیر المومنین عمر فاروقؓ ایک دروازے سے گزرے، وہاں ایک ضعیف العمر نابینے آدمی کو بھیک مانگتے دیکھا۔ آپؓ نے اسے پیچھے سے کہنی ماری اور پوچھا: اہل کتاب کی کس نوع سے تعلق ہے؟ اس نے جواب دیا: یہودی ہوں۔ آپؓ نے پوچھا: کس چیز نے تجھے یہ بھیک مانگنے پر مجبور کیا ہے۔ اس نے کہا: بوڑھا ہوں، اپنی ضروریات اور جزیہ ادا کرنے کے لئے بھیک مانگتا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور گھر لے گئے اور گھر سے کچھ مال اس کو دیا۔ اس کے بعد خزانچی کو بلوا کر کہا:

> ''اس کو اور اس قسم کے لوگوں کو دیکھو، خدا کی قسم! یہ ہرگز انصاف نہیں ہے کہ ہم اس کی جوانی سے تو فائدہ اُٹھائیں اور بڑھاپے میں اسے رسوا ہونے کے لئے چھوڑ دیں: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ وَفِي سَبِيْلِ اللهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللهِ وَاللهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ (التوبۃ:٦٠) یہ مساکین اہل کتاب میں سے ہے۔ اس کے بعد آپ نے اس کا اور اس قسم کے تمام ذمیوں کا جزیہ معاف کردیا۔''

راوی ابوبکر کا بیان ہے کہ میں اس واقعہ کا عینی شاہد ہوں اور میں نے اس بوڑھے کو دیکھا ہے۔

◉ خالد بن ولیدؓ اور اہل حیرہ کے درمیان جو صلح نامہ لکھا گیا تھا، اسکے الفاظ یہ تھے:

فإن فتح الله علينا فهم على ذمتهم، لهم بذلك عهد الله وميثاقه أشد ما أخذ على نبي من عهد أو ميثاق وعليهم مثل ذلك لا يخالفوا فإن غلبوا فهم في سعة يسعهم ما وسع أهل الذمة، ولا يحل فيما أمروا به أن يخالفوا، وجعلت لهم أيما شيخ ضعف عن العمل، أو أصابته آفة من الآفات، أو كان غنيا فافتقر، وصار أهل دينه يتصدقون عليه، طرحت جزيته، وعيل من بيت مال المسلمين وعياله، ما أقام بدار الهجرة ودار الإسلام، فإن خرجوا إلى غير دار الهجرة ودار الإسلام فليس على المسلمين النفقة على عيالهم.[47]

---

[47] أيضاً: ١٥٥، ١٥٦

www.KitaboSunnat.com

''اگر اللہ ہمیں فتح یاب کرتا ہے تو ان کو حقوقِ ذمہ بدستور حاصل رہیں گے، اس کی ضمانت ہم اللہ سے کئے ہوئے عہد اور اس پختہ ترین میثاق کے حوالہ سے دیتے ہیں جو اس نے اپنے کسی نبی سے لیا ہے۔ اس کا حوالہ دے کر ہم ان سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ ان شرائط کی خلاف ورزی نہ کریں اور اگر ان پر کوئی اور طاقت غالب آجائے تو اُنہیں اس بات کی آزادی ہوگی کہ اہل ذمہ جو کچھ کرسکتے ہیں، وہ کریں۔ البتہ جن باتوں کا اُنہیں حکم دیا جائے، ان کی خلاف ورزی نہ ہوگی۔ میں نے ان کے لئے یہ حق بھی رکھا ہے کہ جو شخص بڑھاپے کے باعث از کارِ رفتہ ہوجائے، یا اس پر کوئی آفت ٹوٹ پڑے، یا وہ مال دار تھا اور اب فقیر ہوگیا ہے کہ اس کے ہم مذہب اس کو صدقہ وخیرات دینے لگے ہیں تو اس کا جزیہ معاف کردیا جائے گا اور اسے اور اس کے بال بچوں کو مسلمانوں کے بیت المال سے خرچ دیا جائے گا جب تک کہ وہ دارِ ہجرت اور دارِ اسلام میں قیام کرے۔ البتہ اگر ایسے لوگ دارِ ہجرت اور دارِ اسلام کو چھوڑ کر باہر چلیں جائیں تو ان کے اہل وعیال کی کفالت مسلمانوں کے ذمہ نہ ہوگی۔''

◉ شام کے سفر میں حضرت عمرؓ ایک قوم کے پاس سے گزرے جو کوڑھ کے مرض میں مبتلا تھی تو ان کو صدقات دینے اور امدادی وظائف مقرر کرنے کے احکام جاری کئے۔ [۴۸]

امیر المؤمنین عمرؒ بن عبدالعزیز نے بصرہ کے گورنر عدی بن ارطاۃ کو یہ حکم جاری کیا:

وانظر من قبلك من أهل الذمة من قد كبرت سنه وضعفت قوته، وولت عنه المكاسب فأجر عليه من بيت مال المسلمين ما يصلحه . [۴۹]

''اپنے علاقہ کے اہل ذمہ کا جائزہ لیں، ان میں سے جو شخص بڑھاپے اور کمزوری کے باعث از کار رفتہ ہوگیا ہے، اس کے لئے بیت المال سے اس کے مناسب حال وظیفہ مقرر کردیں۔''

◉ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان بھی ہے:

﴿لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾ (الممتحنۃ:۸)

''اللہ تمہیں اس بات سے نہیں روکتا کہ تم ان لوگوں کے ساتھ نیکی اور انصاف کا برتاؤ کرو جنہوں نے دین کے معاملہ میں تم سے جنگ نہیں کی ہے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں

---

[۴۸] فتوح البلدان :۱۳۵،غير المسلمين في المجتمع الإسلامي :۱۷

[۴۹] كتاب الأموال :۵۷،الأموال، از ابن زنجویہ: ۱۵۲

www.KitaboSunnat.com

نکالا ہے۔ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

◉ اور بعض تابعینؒ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ عیسائی راہبوں کو زکوٰۃ الفطر دیا کرتے تھے اور بعض علما نے تو ان کو زکوٰۃ دینے کی اجازت بھی دی ہے۔

☜ اس کے علاوہ جو متعدد حقوق اسلام نے غیر مسلموں کو عطا کئے ہیں، چونکہ وہ تمام حقوق واضح، معروف اور بدیہی ہیں لہٰذا میں ان کا ذکر نہیں کروں گا۔ مثال کے طور پر ① تجارت اور کاروبار کرنے کا حق ② رہائش اور نقل مکانی کا حق ③ تعلیم کا حق ④ آزادیٔ فکر کا حق ⑤ اجتماعی آزادی کا حق ⑥ انفرادی ملکیت کا حق وغیرہ وغیرہ''[۵۰]

البتہ میں اپنی گفتگو کو ختم کرنے سے پہلے دو اہم اور بنیادی باتوں کی طرف اشارہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ ان دو اُصولی باتوں کے بغیر یہ بحث یقیناً تشنہ اور ادھوری رہ جائے گی:

❶ اسلام میں غیر مسلموں کے جن حقوق کا میں نے تذکرہ کیا ہے، ان کی بنیاد وحی الٰہی پر ہے جس کا سرچشمہ قرآنِ کریم ہے یا رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات ہیں، جو اپنی خواہش اور مرضی سے نہیں بولتے اور یہ وہ ابدی اور عالمگیر حقوق ہیں جو روزِ قیامت تک بغیر کسی تعبیر وتبدل کے قابل تنفیذ اور قابل عمل ہیں، کیونکہ یہ خالق کائنات اور اس کے رسول ﷺ کے احکام ہیں، اس کی تعمیل، تلقین اور تنفیذ ہر اس شخص پر فرض ہے جو کلمہ اسلام کا قائل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللهُ وَرَسُوْلُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللهَ وَرَسُوْلَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِيْنًا﴾ (الاحزاب:۳۶) ''کسی مؤمن مرد اور کسی مؤمن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملہ کا فیصلہ کردے تو پھر اسے اپنے اس معاملہ میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل ہو اور جس نے اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کی، وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا۔''

یہ سب حقوق اللہ اور اس کے رسول کے مشروع کردہ ہیں، کسی فلسفی یا معلم اخلاق کی کاوشِ

---

[۵۰] فقه الاحتساب على غير المسلمين:۴۳تا۵۸، الحوار الإسلامي المسيحي: المبادي ـ التاريخ الموضوعات ـ الأهداف :۴۸، الإسلام والمساواة بين المسلمين وغير المسلمين:۲۱۵، أحكام عقد الأمان والمستأمنين:۱۰۹،۱۱۲، الأوضاع القانونية للنصارىٰ واليهود في الديار الإسلامية حتى الفتح العثماني: ۴۹،۷۴تا۹۹،۱۹۳تا۲۱۲

www.KitaboSunnat.com

فکر کا نتیجہ اور اس کے ذہن کی اختراع نہیں ہیں کہ اُنہیں کسی معاشرے، طبقہ یا کسی حاکم کی رائے سے ناقابل عمل قرار دے دیا جائے یا ان میں کوئی تبدیلی کردی جائے۔ وہ اسلام کے مستقل اور ناقابل تغیر احکام ہیں، جنہیں روشن خیال اعتدال پسندی کے نام سے تغیر وتبدل اور تحریف وتاویل کی سان پر نہیں چڑھایا جاسکتا۔ اسلام کے ان اَوامر کو معطل اور نظر انداز کرنا اور ان کے خلاف وضعی قوانین پر عمل کرنا کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے اور جہاں تک جدید بین الاقوامی انسانی حقوق کے معاہدوں اور مواثیق کا تعلق ہیں، وہ یقیناً انسانی ذہن کی تخلیق اور کاوشِ فکر کا نتیجہ ہیں، یہ سب وضعی قوانین ہیں، معاشرہ اور قانون ساز افراد ان قوانین کو جب چاہیں معطل اور تبدیل کرسکتے ہیں۔ بلکہ بعض ممالک نے یہی طریقہ کار اختیار کیا ہے کہ ان میں سے جو قوانین ان کے مقاصد کی تکمیل کرتے ہیں اُنہیں اختیار کرلیتے ہیں اور باقی کو نظر انداز کردیا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسانی حقوق کے متعلق وضعی قوانین، معاہدے اور چارٹر طاقتور ممالک کے ہاتھوں کٹھ پتلی بن چکے ہیں، جنہیں وہ بعض مخصوص ممالک سے اپنے مطالبات منوانے اور اپنے اقتصادی اور سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے بطورِ ہتھیار استعمال کررہے ہیں۔ لیکن شریعتِ اسلامیہ کے تمام احکام جس میں غیر مسلموں کے حقوق بھی شامل ہیں، انسانی خواہشات و مقاصد، زمان و مکان اور حالات کے تابع نہیں ہیں، یہ آج بھی ویسے ہی قابل نفاذ اور قابل عمل ہیں جیسے آج سے چودہ سو سال قبل تھے۔ ان کو معطل کرنے والا اور ان میں کمی بیشی کرنے والا یقیناً بہت بڑا مجرم اور انسانیت کا دشمن ہوگا۔

❷ دوسری بات جو میں ذکر کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ سابقہ تاریخی مثالوں سے یہ بات واضح ہوچکی ہے کہ بلادِ اسلامیہ میں مقیم غیر مسلم اقوام کے ساتھ جس طرح عدل و مساوات کا سلوک روا رکھا گیا اور کس طرح ان کے حقوق کا ہر ممکن تحفظ کیا گیا، اس کی نظیر گذشتہ اقوام اور غیر مسلم ممالک میں نہیں ملتی۔ اب بعض غیر مسلموں کی طرف سے یہ کہا جارہا ہے کہ یہ حقوق دورِ قدیم میں تو غیر مسلموں کو حاصل تھے، لیکن آج کے اسلامی ممالک میں معاملہ اس کے برعکس ہے، اور وہاں غیر مسلم ان حقوق سے محروم ہیں۔

www.KitaboSunnat.com

مجھے یہ کہتے ہوئے کوئی باک نہیں کہ ہر انصاف پسند یہ دیکھ رہا ہے کہ آج بھی غیر مسلم اسی امتیاز اور اسی شان سے بلادِ اسلامیہ میں رہ رہے ہیں۔ آج بھی اُنہیں وہی حقوق حاصل ہیں، بلکہ طرفہ تماشا یہ ہے کہ اکثر اسلامی ممالک میں وہ اقلیت ہونے کے باوجود برسراقتدار بھی ہیں۔ ہم غیر مسلموں سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ انصاف کے علمبردار بنیں اور حق کا ساتھ دیں خواہ اس کی زد ان کے اوپر ہی کیوں نہ پڑ رہی ہو، جیسا کہ ہم مسلمان بھی اس کے مامور ہیں۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا﴾

''اے ایمان والو! انصاف کے علمبردار اور خدا واسطے کے گواہ بنو، اگرچہ تمہارے انصاف اور تمہاری گواہی کی زد تمہاری اپنی ذات پر یا تمہارے والدین اور رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو۔ فریق معاملہ خواہ مالدار ہو یا غریب، اللہ تم سے زیادہ ان کا خیرخواہ ہے، لہٰذا اپنی خواہش نفس کی پیروی میں عدل کا دامن ہاتھ سے چھوڑ نہ دو اور اگر تم نے لگی لپٹی بات کہی یا حق سے پہلوتہی کی تو جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ کو اس کی خبر ہے۔'' (النساء:۱۳۵)

ان لوگوں کا یہ اعتراض سراسر اِفترا ہے، کیونکہ خود اسلامی ممالک میں بسنے والے غیر مسلم اپنے ساتھ مسلمانوں کے اچھے سلوک کی گواہی دے رہے ہیں۔ میں اس کی صرف دو مثالیں ذکر کرنے پر اکتفا کروں گا:

① مصری عیسائیوں نے ۵ نومبر ۱۹۹۸ء کو اخبار Herald Tribune میں مکمل صفحے کا ایک اشتہار شائع کیا جس پر دو ہزار سے زائد مشہور عیسائی مصنّفین، صحافیوں، ملازمین، وکلا، ڈاکٹرز اور دیگر اعلیٰ شخصیات کے دستخط تھے۔ اُنہوں نے یہ کہا کہ قبطی عیسائیوں کو مصر میں اپنے مذہبی شعائر بجالانے کی کھلی آزادی ہے۔ وہ اپنے گرجے تعمیر کرتے ہیں اور مسلمانوں کے ساتھ ان کے تعلقات انتہائی خوشگوار ہیں اور وہ اجتماعی طور پر بالکل متحد ہیں۔[۵۱]

② یہودی حکومت کے وزیر خارجہ تیونس نژاد سلفان شالوم نے فلسطین میں 'الشرق الاوسط' اخبار کو انٹرویو دیتے ہوئے یہ بات کہی:

---

[۵۱] الإسلام في عيون السويسريين: ۲۱

www.KitaboSunnat.com

''عالم عرب میں تمام یہودیوں کو مذہبی آزادی حاصل ہے...'' اس نے مزید کہا:
''میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ یہودیوں کو عرب حکومتوں کے زیر سایہ زندگی گزارنے کے جو مواقع میسر تھے، وہ ان مواقع سے کہیں بہتر ہیں جو اُنہیں مغربی عیسائی حکومتوں کے زیر سایہ حاصل ہیں۔ مثال کے طور پر ۱۴۹۲ء یہودیوں کو ہسپانیہ سے جلا وطن کر دیا گیا۔ (اس سے قبل) یہودی اندلس میں آزادی سے زندگی بسر کر رہے تھے۔ عرب اسلامی مملکت کے زیر سایہ یہ لوگ بڑے بڑے اجتماعات منعقد کرتے تھے۔ یہودیوں کو اندلس سے کب جلا وطن کیا گیا؟ اس وقت جب عیسائی مسلمانوں پر غالب آ گئے تھے، اندلس اور پرتگال سے جلا وطن ہونے کے بعد یہودی مغرب اور شمالی افریقہ کے ممالک کی طرف ہجرت کر گئے اور مصر میں یہ لوگ نہایت خوش حالی کی زندگی بسر کرتے رہے۔'' (الشرق الاوسط، بروز ہفتہ ۱۴۲۴/۴/۲۲ھ بمطابق ۲۰۰۳/۶/۲۲ء)

اس کے برعکس جب ہم اس دور میں یا گزشتہ تاریخ کے تناظر میں اسلامی ممالک میں بسنے والے غیر مسلموں اور غیر مسلم ممالک میں مقیم مسلم اقلیتوں کے حالات کا باہم موازنہ کرتے ہیں تو دونوں کے حالات کے درمیان ہمیں واضح فرق نظر آتا ہے۔

صلیبی جنگوں کی خون آشام تاریخ کو پڑھئے کہ غیر مسلموں کے ہاتھوں مسلمانوں پر کیا بیتی؟ سقوطِ اندلس کی تاریخ کو ذہن میں تازہ کریں، جہاں لرزہ خیز مظالم کی داستانیں جا بجا بکھری پڑی ہیں، چین کی تاریخ بھی مسلمانوں کے خون سے رنگین ہے، سوویت یونین کے ہاتھوں مسلم اُمہ کے خون کی ندیاں چند برس قبل ہم نے اپنی آنکھوں سے بہتی دیکھیں، جہاں عدل، مساوات اور انسانیت کے تمام تقاضے فراموش کر دیے گئے تھے۔ اور آج بلقان، روس، فلسطین، کشمیر، ہندوستان اور فلپائن میں بسنے والے مسلمانوں پر جو ظلم ڈھائے جا رہے ہیں، یہ سب کچھ کیا ہے؟ ذرا سوچو! پھر انصاف سے بتاؤ، کس نے عدل و انصاف اور حق کا بول بالا کیا اور کس نے حق و انصاف کا خون کیا، کیونکہ تمام شرائع اور مہذب قوانین میں قولِ حق کا اصول موجود ہے اور قولِ حق ہی ہر انسان کا شیوہ ہونا چاہئے:

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ وَاتَّقُوا اللَّهَ﴾ (المائدۃ:۸) ''کسی گروہ کی دشمنی تمہیں اتنا مشتعل نہ کر دے کہ تم حق و انصاف سے پھر جاؤ، عدل و انصاف کرو، یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے، اور خدا سے ڈرو۔ جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔''

www.KitaboSunnat.com

LRL No. 183
Vol.39 NO.3

Monthly MUHADDIS Lahore

5866476
5866396

عناد اور تعصب قوم کے لیے زہرِ ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں

لیکن تعصّبات سے بالاتر رہ کر اِفہام و تفہیم اُمت کے لیے رحمت کا باعث ہے۔

علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں

لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دَقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے

لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا حمیتِ دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

تبلیغِ دین اور اشاعتِ اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالحِ دینیہ کے خلاف ہے

لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین و مسائلِ اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

آئین و سیاست سے بیگانہ ہو کر عبادت کے لیے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے

لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے

لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ محدث لاہور

کا مطالعہ فرمایئے، آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزین پائیں گے، اِن شاء اللہ!
کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

قیمت فی شمارہ ۲۰ روپے ——— زرِ سالانہ ۲۰۰ روپے

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL 99-J, Model Town, Lahore 54700